مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ

انصارالدین

جلد ۱۳ نمبر ۴ جولائی۔اگست ۱۳۹۵ وفاء/ظہور ۲۰۱۶



جلسہ گاہ یوکے کا ایک منظر


تقریب پرچم کشائی جلسہ سالانہ یوکے 2016ء
MAKHZAN-E-TASAWEER
IMAGE LIBRARY

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصار الدین

جلد 13 نمبر 4 | مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ | جولائی - اگست 2016ء

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

اعلان سالانہ اجتماع انصاراللہ یوکے

مجلس انصاراللہ یوکے کا سالانہ اجتماع انشاءاللہ تعالیٰ بروز جمعہ، ہفتہ اور اتوار بتاریخ 30 ستمبر تا 2۔ اکتوبر 2016 منعقد ہو رہا ہے۔ امسال مقام اجتماع کا پتہ درج ذیل ہے:

Old Park Farm
Kingsley GU35 9LU, UK

صدر مجلس: ڈاکٹر اعجاز الرحمٰن
قائد اشاعت: راجہ منیر احمد
مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: صفدر حسین عباسی، حبیب الرّحمٰن غوری۔
تصاویر سرورق: مخزن تصاویر
مینیجر: نعیم گلزار
ترسیل انچارج: سعادت جان
محمد یوسف۔ ناصر احمد میر۔
محمد اعظم خان۔ سلیم احمد

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5PT e-mail address: ansaruddin@ansar.org.uk

درس القرآن

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا. فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ. اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (الشوریٰ:41)

ترجمہ: اور بدی کا بدلہ کی جانے والی بدی کے برابر ہوتا ہے۔ پس جو کوئی معاف کرے بشرطیکہ وہ اصلاح کرنے والا ہو تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ یقیناً وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

اسلام میں کسی غلط حرکت کرنے والے، نقصان پہنچانے والے سے چاہے وہ چھوٹی سطح پر نقصان پہنچانے والا ہو یا بڑے پیمانے پر نقصان پہنچانے والا ہو یا دشمن ہو ہر ایک سے ایسا سلوک کرنے کی تعلیم ہے جو اس کی اصلاح کا پہلو لئے ہوئے ہو۔ اسلام میں سزا کا تصور ضرور ہے لیکن ساتھ معافی اور درگزر کا بھی حکم ہے۔

اس آیت میں بھی یہی حکم ہے کہ بدی اور برائی کرنے والے کو سزا دو لیکن اس سزا کے پیچھے بھی یہ محرّک ہونا چاہئے کہ اس سزا سے بدی کرنے والے یا نقصان پہنچانے والے اور جرم کرنے والے کی اصلاح ہو۔ پس جب اصلاح مقصد ہے تو پھر سزا دینے سے پہلے یہ سوچو کہ کیا سزا سے یہ مقصد حل ہو جاتا ہے۔ اگر سوچنے کے بعد بھی، مجرم کی حالت دیکھنے کے بعد بھی اس طرف توجہ پھرتی ہے کہ اس مجرم کی اصلاح تو معاف کرنے سے ہو سکتی ہے تو پھر معاف کر دو یا اگر سزا دینے سے ہو سکتی ہے تو سزا دو۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ معاف کرنا بھی تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین اجر کا وارث بنائے گا۔ آخر پر اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ کہہ کر یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر سزا میں حد سے بڑھنے کی کوشش کرو گے تو ظالموں میں شمار ہو گے۔ بہرحال یہ بنیادی قانون اور اصول سزا اور اصلاح کا قرآن شریف میں پیش ہوا ہے جو ہماری انفرادی زندگی کے معاملات پر بھی حاوی ہے اور حکومتی معاملات میں بھی بلکہ بین الاقوامی معاملات میں، معاشرے کی اصلاح کے لئے بھی یہ بنیاد ہے۔ جیسا کہ مَیں نے بتایا کسی مجرم کو سزا دینے کا اصل مقصد اصلاح ہے اور اخلاقی بہتری ہے۔ پس اسلام کہتا ہے کہ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے صرف سزا پر زور نہ دو بلکہ اصلاح پر زور دو۔ اگر تو سمجھتے ہو کہ معاف کرنے سے اصلاح ہو گی تو معاف کر دو۔ اگر حالات و واقعات یہ کہتے ہیں کہ سزا دینے سے اصلاح ہو گی تو سزا دو۔ لیکن سزا میں اس بات کا بہرحال خاص طور پر خیال رکھنا ہو گا کہ سزا جرم کی مناسبت سے ہو ورنہ اگر جرم سے زیادہ سزا ہے تو یہ ظلم اور زیادتی ہے اور ظلم اور زیادتی کو خدا تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ پس اسلام میں پہلے مذاہب کی طرح افراط اور تفریط نہیں ہے۔ اس کے اعلیٰ ترین نمونے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آتے ہیں۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ مجرم کی اصلاح ہو گئی ہے تو اپنے انتہائی ظالم دشمن کو بھی معاف فرما دیا۔ آپؐ پر، آپؐ کی اولاد پر، آپؐ کے صحابہ پر کیا کیا ظلم نہیں ہوئے لیکن جب دشمن معافی کا طالب ہوا اور خدا اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے کا عہد کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ بھول کر معاف فرما دیا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 22 جنوری 2016ء)

حدیث النبی ﷺ

آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ پر مکّہ سے ہجرت کے وقت ایک ظالم شخص ھبار بن اسود نے نیزہ سے قاتلانہ حملہ کیا۔ وہ اس وقت حاملہ تھیں۔ اس حملے کی وجہ سے آپ کو زخم بھی آئے اور آپ کا حمل بھی ضائع ہو گیا۔ آخر کار یہ زخم آپ کے لئے جان لیوا ثابت ہوئے۔ اس جرم کی وجہ سے اس شخص کے خلاف قتل کا فیصلہ دیا گیا۔ فتح مکہ کے موقع پر یہ شخص بھاگ کر کہیں چلا گیا۔ لیکن بعد میں جب آنحضرت ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے تو ھبار مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں آپ سے ڈر کر فرار ہو گیا تھا۔ جرم میرے بہت بڑے بڑے ہیں۔ میرے قتل کی سزا کا فیصلہ آپ دے چکے ہیں۔ لیکن آپ کے عفو اور رحم کے حالات پتا چلے تو یہ چیز مجھے آپ کے پاس لے آئی ہے۔ مجھ میں اتنی جرأت پیدا ہو گئی کہ باوجود اس کے کہ مجھ پر سزا کی حد لگ چکی ہے لیکن آپ کا عفو، معاف کرنا اتنا وسیع ہے کہ اس نے مجھ میں جرأت پیدا کی اور مَیں حاضر ہو گیا۔ کہنے لگا کہ اے اللہ کے نبی ہم جاہلیت اور شرک میں ڈوبے ہوئے تھے۔ خدا نے ہماری قوم کو آپ کے ذریعہ سے ہدایت دی اور ہلاکت سے بچایا۔ مَیں اپنی زیادتیوں اور جرموں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری جہالت سے صرفِ نظر فرمائیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی کے اس قاتل کو بھی معاف فرما دیا اور فرمایا جا ھبار اللہ کا تجھ پر احسان ہے کہ اس نے تجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق دی اور سچی توبہ کرنے کی توفیق دی۔

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد 22 صفحہ 431 مسند النساء ذکر سن زینب...... حدیث 1051)

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک شاعر کعب بن زہیر تھا جو مسلمان خواتین کے بارے میں بڑے گندے اشعار کہا کرتا تھا اور ان کی عصمت پر حملے کیا کرتا تھا۔ اس کی بھی سزا کا حکم جاری ہو چکا تھا۔ جب مکّہ فتح ہوا تو کعب کے بھائی نے اسے لکھا کہ مکہ فتح ہو چکا ہے بہتر ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ سے معافی مانگ لو۔ چنانچہ وہ مدینہ آکر اپنے ایک جاننے والے کے ہاں ٹھہرا اور فجر کی نماز مسجد نبوی میں جا کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ ادا کی اور پھر اپنا تعارف کرائے بغیر کہا کہ یا رسول اللہ! کعب بن زہیر تائب ہو کر آیا ہے اور معافی چاہتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ آپؐ کیونکہ اس کی شکل سے واقف نہیں تھے۔ اسے جانتے نہیں تھے یا ہو سکتا ہے اس وقت کپڑا اوڑھا ہوا ہو اور باقی صحابہ نے بھی نہ پہچانا ہو۔ بہرحال وہاں کسی نے اسے پہچانا نہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا: ہاں آ جائے تو اس نے کہا کہ مَیں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ اس پر ایک انصاری اٹھے اور اسے قتل کرنے لگے کیونکہ اس کے جرموں کی وجہ سے اس پر بھی قتل کی حد لگ چکی تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے فرمایا کہ اب اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ معافی کا خواستگار ہو کر آیا ہے۔ پھر اس نے ایک قصیدہ بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی ایک خوبصورت چادر انعام کے طور پر اسے دے دی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 22 جنوری 2016ء)

کلام الامام علیہ السلام

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقع پر اسلام کی خوبصورت تعلیم کا توریت اور انجیل سے مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''انجیل میں لکھا ہے کہ تُو بدی کا مقابلہ نہ کر۔ غرض انجیل کی تعلیم تفریط کی طرف جھکی ہوئی ہے اور بجز خاص حالات کے ماتحت ہونے کے انسان اس پر عمل کر ہی نہیں سکتا۔ دوسری طرف توریت کی تعلیم کو دیکھا جاوے تو وہ اِفراط کی طرف جھکی ہوئی ہے اور اس میں بھی صرف ایک ہی پہلو پر زور دیا گیا ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت توڑ دیا جاوے۔ اس میں عفو اور درگذر کا نام تک بھی نہیں لیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ کتابیں مختص الزمان اور مختص القوم ہی تھیں''۔ (یعنی ایک خاص زمانے کے لئے اور ایک خاص قوم کے لئے تھیں) ''مگر قرآن شریف نے ہمیں کیا پاک راہ بتائی ہے جو افراط اور تفریط سے پاک اور عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ مثال کے طور پر قرآن شریف میں فرمایا ہے: جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ (الشوریٰ: 41) یعنی جتنی بدی کی گئی ہو اسی قدر بدی کرنی جائز ہے۔'' (یعنی اتنی سزا دینی جائز ہے) ''لیکن اگر کوئی معاف کر دے اور اس معافی میں اصلاح مدّنظر ہو۔ بے محل اور بے موقعہ عفو نہ ہو بلکہ برمحل ہو تو ایسے معاف کرنے والے کے واسطے اس کا اجر ہے جو اسے خدا سے ملے گا۔ دیکھو کیسی پاک تعلیم ہے۔ نہ اِفراط، نہ تفریط۔ انتقام کی اجازت ہے مگر معافی کی تحریص بھی موجود ہے۔'' (بدلہ لینے کا حکم ہے لیکن ساتھ ہی معافی کے لئے توجہ دلائی گئی ہے بلکہ حرص دلائی گئی ہے کہ اس سے تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں انعام ملے گا) ''بشرط اصلاح یہ ایک تیسرا مسلک ہے جو قرآن شریف نے دنیا کے سامنے رکھا ہے۔ اب ایک سلیم الفطرت انسان کا فرض ہے کہ ان میں خود موازنہ اور مقابلہ کر کے دیکھ لے کہ کون سی تعلیم فطرت انسانی کے مطابق ہے اور کونسی تعلیم ایسی ہے کہ فطرت صحیح اور کانشس اسے دھکے دیتی ہے۔''

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 402-401۔ ایڈیشن 1984ء مطبوعہ انگلستان)

اسی موضوع پر اسلامی تعلیم کے حوالہ سے مزید فرماتے ہیں:

''بدی کا بدلہ اسی قدر بدی ہے جو کی گئی۔ لیکن جو شخص عفو کرے اور گناہ بخش دے اور اس عفو سے کوئی اصلاح پیدا ہوتی ہو، نہ کوئی خرابی، تو خدا اس سے راضی ہے اور اسے اس کا بدلہ دے گا۔ پس قرآن کے رُو سے نہ ہر یک جگہ انتقام محمود ہے'' (نہ انتقام لینا قابل تعریف ہے) ''اور نہ ہر یک جگہ عفو قابل تعریف ہے۔ بلکہ محل شناسی کرنی چاہئے۔ اور چاہئے کہ انتقام اور عفو کی سیرت بپابندی محل اور مصلحت ہو، نہ بے قیدی کے رنگ میں۔ یہی قرآن کا مطلب ہے''۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 30)

فرمودات

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے احباب جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک طبقہ تو وہ ہے جو معاف کرنا جانتا ہی نہیں اور جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے دادوں پڑدادوں کے وقت کی رنجشیں بھی یاد رکھی ہوئی ہیں۔ اور دوسری طرف ایسے بے غیرت اور دیوث لوگ ہیں کہ نیک چلنی پر ایک داغ ہیں۔ معافی کے نام پر بے غیرتی دکھاتے ہیں۔ پس بے غیرتی بھی نہیں ہونی چاہئے اور ظلم بھی نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کوئی کسی کی بیٹی بہن کی عزت پر حملہ کرتا ہے، عصمت پر حملہ کرتا ہے تو قانون کے دائرے میں کارروائی کرنی چاہئے۔ وہاں معافی کا سوال نہیں ہے۔ پس معافی اور بے غیرتی میں فرق بھی معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن قانون ہاتھ میں نہیں لینا یہ بہرحال شرط ہے۔......

خدا اس شخص سے راضی ہوتا ہے جس کی نیت نیک ہے اور اس کے فعل اور کام کا مقصد اصلاح ہے۔ دیوث شخص کے معاف کرنے سے خدا راضی نہیں ہوگا۔ نہ اس سے راضی ہوتا ہے جو انتقام کی نیت رکھتا ہو۔ یہ دونوں چیزیں سامنے ہونی چاہئیں۔ نہ اتنی نرمی ہو کہ بالکل بے غیرت ہو جائے، اس سے بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ اور نہ انتقام کی نیت ہو۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتی ہے۔ پس ہر دو حدود کو سامنے رکھتے ہوئے معافی اور سزا کے فیصلے کرنے چاہئیں۔ اس بارے میں جماعتی عہدیداروں اور نظام کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہئے۔ عموماً تو خیال رکھا جاتا ہے لیکن بعض کے خلاف جو فیصلے ہوتے ہیں یا سفارش مجھے آتی ہے تو مَیں یہ تو نہیں کہتا کہ انتقام کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن یہ ضرور بعض دفعہ ہوتا ہے کہ سفارش کرنے والے کا طبعاً رجحان سختی کی طرف ہوتا ہے اور بعض ضرورت سے زیادہ نرمی اور معافی کا رجحان رکھتے ہیں جس سے پھر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پس نہ سزا دینا پسندیدہ ہے، نہ معاف کرنا قابل تعریف ہے۔ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے اور یہ اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب اصلاح مقصد ہو اور اس کے لئے متعلقہ محکموں کو چاہئے کہ وہ کوشش کریں چاہے وہ امور عامہ ہے یا قضا ہے کہ بڑی گہرائی میں جا کر سفارش اور فیصلے کرنے چاہئیں تاکہ وہ حقیقی نظام اور حالات ہم اپنے میں اور جماعت میں پیدا کر سکیں جو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے ہوں اور اس کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا اور مدد مانگنے کی بھی ضرورت ہے۔ جب بھی کوئی فیصلہ ہو دعا کے ساتھ ہو اور پھر خلیفۂ وقت کے پاس سفارش ہونی چاہئے تاکہ ہر قسم کے بداثرات سے وہ شخص بھی محفوظ رہے جس کے خلاف شکایت کی جا رہی ہے اور نظام جماعت بھی محفوظ رہے اور وہ فیصلہ جماعت میں کسی بھی قسم کی بے چینی کا باعث نہ بنے۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 22 جنوری 2016ء)

ایک بابرکت کفن

(سرخ چھینٹوں کا نشان)

〈فرخ سلطان محمود〉

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت میاں عبداللہ سنوری صاحبؓ کے حوالہ سے ایک روایت ''سیرۃ المہدی'' میں بیان کی ہے۔فرماتے ہیں کہ غالباً 1884ء کے مئی جون میں رمضان کی 27 تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد مبارک میں نماز فجر پڑھ کر اس کے ساتھ والے غسلخانہ میں جو تازہ پلستر ہونے کی وجہ سے ٹھنڈا تھا، ایک چار پائی پر جا لیٹے۔ مَیں پاؤں دبانے بیٹھ گیا۔ دل میں بہت مسرور تھا کہ میرے لئے ایسے مبارک موقعے جمع ہیں یعنی حضرت صاحب جیسے مبارک انسان کی خدمت کر رہا ہوں۔ وقت فجر کا ہے۔مہینہ رمضان کا ہے تاریخ 27 اور جمعہ کا دن ہے اور گزشتہ شب شب قدر تھی کیونکہ مَیں نے حضرت صاحب سے سنا ہوا تھا کہ جب رمضان کی 27 تاریخ اور جمعہ مل جائیں تو وہ رات یقیناً شب قدر ہوتی ہے۔

مَیں انہی باتوں کا خیال کر کے دل میں مسرور ہو رہا تھا کہ حضرت صاحب کا بدن یکلخت کانپا اور اس کے بعد حضورؑ نے آہستہ سے اپنے اوپر کی کہنی ذرا ہٹا کر میری طرف دیکھا۔ آپؑ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔اس کے بعد آپؑ نے پھر اسی طرح اپنی کہنی رکھ لی۔ مَیں دباتے دباتے حضورؑ کی پنڈلی پر آیا تو مَیں نے دیکھا کہ حضورؑ کے پاؤں پر ٹخنے کے نیچے سرخی کا ایک قطرہ پڑا تھا جو ابھی تازہ گرے ہونے کی وجہ سے گیلا تھا۔مَیں نے اسے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی لگا کر دیکھا تو وہ ٹخنے پر پھیل گیا اور میری انگلی پر بھی لگ گیا۔مَیں نے اُسے سونگھا لیکن اس میں خوشبو نہیں تھی۔ پھر مَیں دباتا دباتا پسلیوں کے پاس پہنچا وہاں مَیں نے سرخی کا ایک اور بڑا قطرہ کرتہ پر دیکھا۔اس کو بھی مَیں نے ٹٹولا تو وہ بھی گیلا تھا۔اس وقت پھر مجھے حیرانی ہوئی کہ یہ سرخی کہاں سے آ گئی ہے۔

پھر مَیں چار پائی سے آہستہ سے اٹھا کہ حضرت صاحبؑ جاگ نہ اٹھیں اور پھر اس کا نشان تلاش کرنا چاہا کہ یہ سرخی کہاں سے گری ہے۔ بہت چھوٹا سا حجرہ تھا۔ چھت میں اردگرد مَیں نے اس کی خوب تلاش کی مگر خارج میں مجھے اس کا کہیں پتہ نہیں چلا کہ کہاں سے گری ہے۔

تھوڑی دیر بعد حضرت صاحبؑ اٹھ کر بیٹھ گئے اور پھر حجرہ میں سے نکل کر مسجد میں جا کر بیٹھ گئے۔مَیں وہاں پیچھے بیٹھ کر آپؑ کے مونڈھے دبانے لگ گیا۔اس وقت مَیں نے عرض کیا کہ حضور! یہ آپ پر سرخی کہاں سے گری ہے؟ حضورؑ نے بے توجہی سے فرمایا کہ آموں کا رس ہوگا۔مَیں نے عرض کیا کہ حضور! یہ تو سرخی ہے۔ اس پر آپ نے پوچھا کہ کہاں ہے؟مَیں نے کرتہ پر وہ نشان دکھا کر کہا کہ یہ ہے۔ اس پر حضورؑ نے کرتے کو سامنے کی طرف کھینچ کر اور اپنے سر کو ادھر پھیر کر اس قطرہ کو دیکھا۔ پھر اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں فرمایا بلکہ رویت باری اور امور کشوف کے خارج میں وجود پانے کے متعلق پہلے بزرگوں کے ایک دو واقعات مجھے سنائے۔ پھر فرمایا کہ یہ کشف کی باتیں تھیں مگر خدا تعالیٰ نے ان بزرگوں کی کرامت ظاہر کرنے کے لئے خارج میں بھی ان کا وجود ظاہر کر دیا۔اب ہمارا قصہ سنو۔جس وقت تم حجرہ میں ہمارے پاؤں دبا رہے تھے۔مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت وسیع اور مصفّٰی مکان ہے۔اس میں ایک پلنگ بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک شخص حاکم کی صورت میں بیٹھا ہے۔میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ احکم الحاکمین یعنی ربّ العالمین ہیں اور مَیں اپنے آپ کو ایسا سمجھتا ہوں جیسے حاکم کا کوئی سررشتہ دار (ہیڈ کلرک) ہوتا ہے۔مَیں نے کچھ احکام قضاء وقدر کے متعلق لکھے ہیں اور ان پر دستخط کرانے کی غرض سے ان کے پاس لے چلا ہوں۔ جب مَیں پاس گیا تو انہوں نے مجھے شفقت سے اپنے پاس پلنگ پر بٹھالیا۔اس وقت میری حالت ایسی ہوگئی کہ جیسے ایک بیٹا اپنے باپ سے بچھڑا ہوا سالہا سال کے بعد ملتا ہے اور قدرتاً اس کا دل بھر آتا ہے یا شاید فرمایا اس کو رقت آجاتی ہے۔اور میرے دل میں اس وقت یہ بھی خیال آیا کہ یہ احکم الحاکمین (یا فرمایا ربّ العالمین) ہیں اور کس محبت اور شفقت سے انہوں نے مجھے بٹھالیا ہے۔اس کے بعد مَیں نے وہ احکام جو لکھے تھے دستخط کرانے کے لئے پیش کئے۔انہوں نے قلم سرخی دوات میں (جو پاس پڑی تھی) ڈبویا اور میری طرف جھاڑ کر دستخط کر دیئے۔

حضرت صاحبؑ نے فرمایا: یہ وہ سرخی ہے جو اس قلم سے نکلی ہے۔پھر فرمایا کہ دیکھو کوئی قطرہ تمہارے اوپر بھی گرا؟مَیں نے اپنے کرتے کو ادھر اُدھر سے دیکھ کر عرض کیا کہ حضور میرے پر تو کوئی نہیں گرا۔فرمایا کہ تم اپنی ٹوپی پر دیکھو۔مَیں نے اپنی ململ کی سفید ٹوپی اتار کر دیکھی تو ایک قطرہ اس پر بھی تھا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی اور مَیں نے عرض کیا کہ حضورؑ میری ٹوپی پر بھی ایک قطرہ ہے۔

پھر میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ یہ کرتہ بڑا مبارک ہے اس کو تبرکاً لے لینا چاہئے۔ پہلے مَیں نے اس خیال سے کہ کہیں حضورؑ انکار نہ کر دیں، حضورؑ سے مسئلہ پوچھا کہ حضورؑ کسی بزرگ کا کوئی تبرک کپڑے وغیرہ کا لے کر رکھنا جائز ہے؟ فرمایا: ہاں جائز ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات صحابہؓ نے رکھے تھے۔پھر مَیں نے عرض کیا کہ حضورؑ خدا کے واسطے میرا ایک سوال ہے۔فرمایا کہو کیا ہے؟مَیں نے عرض کیا کہ حضور یہ کرتہ تبرکاً مجھے دے دیں۔فرمایا نہیں یہ تو ہم نہیں دیتے۔مَیں نے عرض کیا کہ حضورؑ نے ابھی تو فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات صحابہؓ نے رکھے۔اس پر فرمایا کہ یہ کرتہ مَیں اس واسطے نہیں دیتا کہ میرے اور تیرے مرنے کے بعد اس سے شرک پھیلے گا۔اس کی لوگ پوجا کریں گے، اس کو لوگ زیارت بنالیں گے۔

مَیں نے عرض کیا کہ حضور رسول اللہ ﷺ کے تبرکات سے شرک نہ پھیلا؟

فرمایا: دراصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تبرکات جن صحابہ کے پاس تھے وہ مرتے ہوئے وصیتیں کر گئے کہ ان تبرکات کو ہمارے کفن کے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔مَیں نے عرض کیا کہ حضورؑ مَیں بھی مرتا ہوا وصیت کر جاؤں گا کہ یہ کرتہ میرے ساتھ دفن کر دیا جاوے۔فرمایا: ہاں اگر یہ عہد کرتے ہو تو لے لو۔ چونکہ وہ جمعہ کا دن تھا، تھوڑی دیر کے بعد حضورؑ نے غسل کر کے کپڑے بدلے اور مَیں نے یہ کرتہ سنبھال لیا۔

7راکتوبر 1927ء کو حضرت منشی عبداللہ سنوری صاحبؓ کی وفات ہوئی تو اس موقع پر ان کی وصیت کے مطابق یہ کرتہ ان کو کفن کے طور پر پہنایا گیا اور اُن کے ساتھ ہی بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن ہوا۔

پس کیسا وہ مبارک وجود تھا اور کیسا یہ بابرکت کفن تھا۔

ہمارا خدا۔ ہستی باری تعالیٰ کے عقلی دلائل

قسط چہارم

﴿حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تصنیف لطیف سے ماخوذ﴾

(انتخاب و تلخیص: محمود احمد ملک)

انصار کو خداتعالیٰ کی ہستی کے عقلی دلائل سے لیس کرنے کے لئے ایک نہایت عمدہ کتاب ''ہمارا خدا'' (جو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تصنیف ہے) کے منتخب مضامین سے تلخیص کا سلسلہ گزشتہ چند شماروں سے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

ذیل میں اس کتاب کے صفحات 129 تا 161 کی تلخیص ہدیۂ قارئین ہے:

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

غلبۂ رُسل کی دلیل

جب کبھی بھی خدا پر ایمان لانے والوں اور خدا کا انکار کرنے والوں کا (خواہ وہ انکار عقیدہ کا ہو یا عملی ہو) مقابلہ ہوا ہے تو غلبہ ہمیشہ ایمان لانے والوں کا ہوا ہے خواہ وہ بظاہر کمزور اور بے سروسامان ہی نظر آئیں۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ ایمان لانے والوں کی نصرت میں کوئی غیبی ہاتھ کام کرتا ہے۔

پس جب بھی کوئی راستباز شخص اس دعویٰ کے ساتھ دنیا میں کھڑا ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے میری زندگی کا مشن ایمان کو دُنیا میں قائم کرنا ہے۔ تو پھر وہ ضرور اپنے مشن میں کامیاب ہوکر رہتا ہے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ نے یہ مقدّر کر رکھا ہے کہ وہ اور اُس کے رسول ہمیشہ غالب رہیں گے۔ (المجادلۃ:22)

دوسری طرف دنیا کی تاریخ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ مومنوں کے مقابلہ میں دہریہ (خدا کے منکر یا صرف رسمی طور پر ایمان لانے والے) کو فتح نصیب ہوئی ہو۔ چنانچہ حضرت کرشن اور رام چندر جی کے کارناموں کو دیکھ لو۔ اُن کے مخالف آریہ ورت آج اُن کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔

ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالو۔ وہ آگ میں ڈالے جانے پر بھی ثابت قدم رہے کیونکہ خدا کا وعدہ تھا کہ جس طرح آسمان کے ستاروں کا شمار ناممکن ہے اسی طرح ابراہیمؑ کی آل واولاد بھی آسمانِ ہدایت کے ستارے بن کر چمکے گی اور گِنی نہیں جائے گی۔ اور آج دنیا میں جتنے حضرت ابراہیمؑ کے نام لیوا موجود ہیں وہ کسی اور نبی کو میسّر نہیں مگر آپؑ کے مخالف کہاں ہیں؟

پھر حضرت موسیٰؑ ایک غریب خاندان میں پیدا ہوئے جنہیں ان کے گھر والوں نے فرعون کے ڈر سے صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا۔ پھر فرعون کے گھر میں اُن کی پرورش ہوئی۔ جب بڑے ہوئے تو ایک جُرم کی سزا سے خائف ہو کر وطن سے بھاگ نکلے۔ آخر ایک نیک انسان کی خدمت اختیار کی۔ دس سالہ خدمت کے بعد شادی ہوئی۔ پھر نبوّت عطا ہوئی تو واپس آئے اور سرِ دربار کھڑے ہوکر فرعون کے مُنہ پر کہا کہ ''میں اُس خدا کا ایلچی ہوں جو تیرا اور میرا سب کا خالق و مالک ہے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کردو ورنہ انجام ٹھیک نہیں ہوگا۔'' فرعون حکومت کے نشے میں مخمور تھا تیوری چڑھا کر جواب دیا کہ ''اے موسیٰ! تُو جو میرے گھر کے ٹکڑوں پر پلا ہے ذرا ہوش میں آکر بات کر۔'' حضرت موسیٰؑ سمجھ جاتے ہیں کہ اس بدمست دیو کا خمار یُوں اُترتا نظر نہیں آتا۔ چنانچہ حکمت عملی سے خفیہ طور پر بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر نکل جاتے ہیں۔ فرعون کو علم ہوتا ہے تو غیظ وغضب میں آپے سے باہر ہوُا جاتا ہے اور جرار لشکر کو ساتھ لے کر اُن کا تعاقب کرتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن کو جالیتا ہے۔ بنواسرائیل جن کو برسوں کی غلامی نے نامردوں سے بدتر بنا رکھا تھا یہ نظارہ دیکھ کر سہمے جاتے ہیں۔ اُن کے عقب میں فرعون کا جرار لشکر ہے اور سامنے مہیب سمندر ہے۔ گھبرا کر کہتے ہیں کہ موسیٰ! اب کیا ہوگا؟ مگر حضرت موسیٰؑ ہیں کہ چٹان کی طرح قائم ہیں۔ فرماتے ہیں: کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ۔ ''خبردار گھبرانے کی کوئی بات نہیں میرے ساتھ میرا خدا ہے۔ دیکھو وہ ابھی ہمارے لئے رستہ بنائے دیتا ہے'' (الشعراء:36)۔

یہ وہی حضرت موسیٰؑ ہیں جو چند برس پہلے مصر کی پولیس سے ڈر کر وطن سے بھاگ نکلے تھے۔ اب فرعون کا لاؤلشکر سامنے ہے اور حضرت موسیٰؑ کے ماتھے پر بَل تک نہیں آتا! پھر نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ حضرت موسیٰؑ کے لئے سمندر پھٹ کر راستہ بنا دیتا ہے مگر فرعون مع اپنے لشکر اور ساز وسامان کے غرق ہوجاتا ہے۔ اور آج حضرت ابراہیمؑ کی طرح حضرت موسیٰؑ کے نام لیوا بھی شمار سے باہر ہیں اور فرعون کو کوئی جانتا تک نہیں البتہ اس کا مُردہ جسم لوگوں کی عبرتگاہ بنا ہوُا ہے۔

حضرت مسیحؑ ناصری کو دیکھو۔ بنواسرائیل کی ایک غریب بے بیاہی لڑکی کے گھر میں لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ بدباطن یہود چہ میگوئیاں کرتے ہیں اور یہ بات بُھول جاتے ہیں کہ یہ پیدائش ایک سابقہ پیشگوئی کے مطابق تھی۔ (یسعیاہ باب 7 آیت 14) اور اس بات کو بھی بُھول جاتے ہیں کہ مسیحؑ کی کم ازکم ماں تو موجود ہے۔ حضرت آدمؑ کا تو اُن کے خیال کے مطابق نہ باپ تھا نہ ماں۔ خیر یہ بے باپ کا لڑکا بڑا ہوتا ہے اور پھر روح القدس کی تائید پاکر وہی پُرانی آواز بلند کرتا ہے جو حضرت کرشنؑ نے ہندوستان میں، حضرت ابراہیمؑ نے شام میں اور حضرت موسیٰؑ نے مصر میں بلند کی تھی۔ مگر یہود جو پہلے سے ہی اُسے کج آنکھوں سے دیکھ رہے تھے غیظ وغضب سے بھر جاتے ہیں اور آخر نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ یہود کی سازش سے مسیحؑ کو صلیب پر لٹکا دیا جاتا ہے اور یہود خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے میدان مار لیا۔ لیکن مسیحؑ کے پیچھے کسی اَور کا ہاتھ تھا۔ وہ اپنے نام لیوا کی مدد کو آتا ہے اور اُسے اس ذلّت کی موت کے مُونہہ سے نکال لیتا ہے اور اپنے محبت کے کلام سے یُوں تسلّی دیتا ہے کہ ''آج میری ایک مصلحت سے یہود نے تجھ پر ایک عارضی تسلّط پایا ہے۔ لیکن مَیں تیرا وفادار آقا ہوں اب قیامت تک یہ یہود تیرے حلقہ بگوشوں کے پاؤں کے نیچے رہیں گے۔ اور دُنیا دیکھ لے گی کہ دراصل تُو نے فتح پائی ہے نہ کہ اِن یہود نے''۔ آج دُنیا کیا نظارہ دیکھتی ہے؟ کیا مسیح کے خادم ساری دُنیا پر ایک سیل عظیم کی طرح نہیں چھا رہے؟ اور وہی یہود جو ایک دن مسیحؑ کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھتے تھے اور تمسخر کے ساتھ کہتے تھے کہ دیکھو یہ ہمارا ''بادشاہ'' ہے، آج مسیح کے خادم رحم کھا کر اُن کے سروں پر ارضِ مقدس کی بادشاہت کا تاج رکھنا چاہتے ہیں مگر کوئی رکھنے نہیں دیتا اور بنی اسرائیل کی قوم مسیحؑ کو صرف چند گھنٹوں کیلئے سولی پر لٹکانے کی وجہ سے گویا اُنیس سو سال سے خود سولی پر لٹکی ہوئی ہے۔ خدا کی بھی کیسی عبرتناک پکڑ ہے۔

پھر سب کے سردار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی) کے وجود باجود کی طرف نگاہ کرو۔ قریش کے ایک معزّز مگر غریب گھرانے کے لڑکے کی شادی ایک حیاپرور

لڑکی سے ہوتی ہے۔ خاوند اور بیوی بہت تھوڑا عرصہ اکٹھا رہ پاتے ہیں کہ اس لڑکی کے سر سے خاوند کا سایہ اُٹھ جاتا ہے۔ وہ لڑکی اس وقت حمل سے ہے اور اُس کے پیٹ کا بچّہ اس کے خاوند کی یاد کو اس کے معصوم دل میں اَور بھی زیادہ دردناک طور پر تازہ رکھ رہا ہے۔ خیر وہ بچّہ پیدا ہوتا ہے۔ ماں اُسے قریش کی رسم کے مطابق کسی بدوی دایہ کے سُپرد کرنا چاہتی ہے۔ مگر یتیم بچّے کو کون لے؟ آخر بڑی تلاش کے بعد ایک دایہ ملتی ہے اور اس طرح یہ نبیوں کا سرتاج عرب کے صحرائی جھونپڑوں میں اپنی زندگی کے ابتدائی دن گزارتا ہے۔ جب عمر ذرا بڑی ہوتی ہے تو یہ بچہ اپنی ماں کے پاس واپس آجاتا ہے۔ مگر زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ ماں بھی وفات پا جاتی ہے اور اور یہ بچہ بغیر ماں باپ کے، بعض رشتہ داروں کی آغوشِ تربیت میں جوان ہوتا ہے اور بڑا ہوکر دوسرے قریش کی طرح تجارت میں مصروف ہوجاتا ہے۔ وہ اَن پڑھ اور اُمّی ہے مگر اپنے اخلاق فاضلہ سے خاص عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور لوگ اُسے ''امین'' کے لقب سے پکارتے ہیں۔ چالیس سال کی عمر سے پہلے ہی اُس کی طبیعت خلوت گزینی کی طرف مائل ہوجاتی ہے اور قریش کے عادات ورسوم اور اُن کا مذہب اس کی سلیم فطرت کو قابلِ نفرت نظر آتے ہیں۔ مکّہ کے پاس ایک ویران پہاڑ میں ایک ویران غار ہے۔ یہ جگہ اُسے اپنی خلوت نشینی کے لئے پسند آتی ہے اور وہ دن رات اُسی کے اندر بیٹھا ایک ایسی نامعلوم ہستی کی یاد میں محو رہتا ہے جو اُس کے بے چین دل کو تسکین دے سکے۔ اس کی بوڑھی بیوی جو مکّہ میں رہتی ہے اور اپنے خاوند کو پریشان دیکھ کر خود پریشان ہوئی جارہی ہے۔ اسی طرح وقت گزرتا جاتا ہے اور آخر وہ وقت آتا ہے کہ اُس نامعلوم ہستی کی ضیاء پاش کرنیں جس کی تلاش میں وہ سرگردان ہے اُس کے قلبِ صافی پر گرنی شروع ہوتی ہیں اور عالمِ رُوحانی کا وسیع منظر اُس کی نیم باز آنکھوں کے سامنے کُھلنا شروع ہوتا ہے۔

پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ وہ پردۂ مستوریت سے باہر آکر اپنے خُداداد منصب کو قریش کے سامنے پیش کرتا ہے اور ان کو اُس خُدا کی طرف بُلاتا ہے جو اس دُنیا کا خالق و مالک ہے۔ سردارانِ قریش اُس کی بات سُن کر ہنس دیتے ہیں اور اُسے قابلِ التفات نہیں سمجھتے۔ مگر وہ اپنے کام میں لگا رہتا ہے اور آخر چند سمجھدار وفاشعار لوگ اس کے گرد جمع ہوجاتے ہیں۔ اب قوم محسوس کرنے لگتی ہے کہ یہ آواز صرف ہنس کر ٹال دینے والی نہیں بلکہ اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی تو یہ آواز قوم میں پھوٹ پیدا کردے گی۔ چنانچہ اس عظیم الشان اور بے نظیر مذہبی جنگ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس نے ملک بھر میں ایک ایسی آگ لگادی جو اُس وقت تک نہیں بجھی جب تک کہ سارا ملک ایک واحد خُدا کے جھنڈے کے نیچے جمع نہیں ہوگیا۔

پہلے تو قریش نے مسلمانوں کی اس مُٹھی بھر جماعت پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے جن کا حال پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ بلالؓ ایک حبشی غلام تھے۔ اُن کا آقا اُمیّہ بن خلف ایک بڑا رئیس تھا۔ وہ بدبخت دوپہر کے وقت جبکہ اوپر سے آگ برستی تھی اور مکّہ کا پتھریلا میدان بھٹی کی طرح تپتا تھا اُن کو ننگا کرکے ریت پر لٹا دیتا اور گرم پتھر اُن کے سینے پر رکھ کر خود اوپر چڑھ بیٹھتا اور اسلام سے منحرف ہوجانے کو کہتا۔ بلالؓ زیادہ عربی نہیں جانتے تھے۔ آسمان کی طرف دیکھتے اور کہتے: احد، احد۔ یعنی ''خُدا ایک ہے، خدا ایک ہے۔'' پھر یہ ظالم ان کو رسّی سے باندھ کر شریر لڑکوں کے حوالے کردیتا اور وہ ان کو مکّے کی پتھریلی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے جس سے اُن کا ننگا بدن زخمی ہوکر خون سے تربہ تر ہوجاتا اور اُمیّہ پھر اُن سے پوچھتا کہ بلالؓ! اب بتا کیا کہتا ہے؟ بلالؓ کے مُنہ سے پھر وہی آواز نکلتی کہ احد، احد۔ اور ظالم لڑکے اُمیّہ کا اشارہ پاکر اُن کو پھر سے گرم پتھروں پر گھسیٹنا شروع کردیتے۔ ایک اَور مسلمان خبابؓ لوہار تھے۔ قریش کے شریر نوجوانوں نے غصّہ میں آکر اُن کو اُن کی بھٹی کے دہکتے ہوئے کوئلوں کے اوپر لٹادیا اور ایک شخص ان کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا تاکہ وہ کروٹ نہ بدل سکیں حتّٰی کہ وہ کوئلے اسی طرح جل جل کر اُن کی پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہوگئے مگر اس وفادار بندہ نے خدا کا دامن نہ چھوڑا۔ سمیّہؓ ایک غریب مسلمان عورت تھی۔ ابوجہل نے اُن پر بے شمار ظلم ڈھائے مگر وہ خدا کی بندی اسلام پر قائم رہی۔ آخر اُس بدباطن نے ان کی شرمگاہ میں نیزہ مار کر انہیں مکّہ کے تپتے ہوئے میدان میں شہید کردیا۔ یہ اس مذہبی جنگ کے ابتدائی کارناموں کی چند مثالیں ہیں جو قریش مکّہ کی طرف سے غریب اور بیکس مسلمانوں کے خلاف وقوع میں آئے۔

خود مسلمانوں کے آقا اور سردار (فداہ نفسی) پر طائف کے شریر لوگوں نے پتھر برسا دیئے حتّٰی کہ آپ کا بدن زخموں سے چھلنی ہوگیا اور خون سے آپؐ کی جوتیاں بھر گئیں۔ اور خود مکّہ کے اندر آپ کا بائیکاٹ کرکے آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ آخر جب یہ مظالم انتہا کو پہنچ گئے اور بالآخر قریش نے یہ فیصلہ کرلیا کہ محمدﷺ کو جان سے ماردینا چاہئے تاکہ اس سلسلہ کا خاتمہ ہو۔ تو آپؐ مع اپنے چند ساتھیوں کے ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے تاکہ شائد اسی طرح قریش کا غصّہ فرو ہوجائے۔ مگر اس بات نے قریش کی آتشِ غضب کو اَور بھی بھڑکا دیا اور اُن کے رُؤسا نے سارے ملک میں چکّر لگا لگا کر تمام عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانا شروع کردیا۔ اُس وقت مسلمانوں کی تعداد چند گنتی کے آدمیوں سے زیادہ نہ تھی۔ اور وہ بھی عموماً حد درجہ غریب اور کمزور اور بے سروسامان تھے۔ اور دوسری طرف ملک بھر کی متحدہ طاقتیں اپنے بے انداز سروسامان سے جمع ہوکر ایک سیلِ عظیم کی طرح اُمڈی چلی آتی تھیں تاکہ خدا کی نام لیوا اس مٹھی بھر جماعت کو ہمیشہ کیلئے صفحۂ دُنیا سے مٹادیں۔

اس بے نظیر جنگ میں جو جو قربانیاں آنحضرتﷺ اور آپؐ کے صحابہ کو کرنی پڑیں وہ تاریخ میں مذکور ہیں۔ مگر ایک واقعہ ایسا ہے کہ جسے مَیں اس جگہ نظرانداز نہیں کرسکتا۔ آنحضرتﷺ ایک بڑی جماعت کے ساتھ حجاز کی ایک وادی میں سے گزر رہے تھے کہ اچانک سامنے سے ایک دشمن قبیلہ نے تیروں کی ایک باڑ ماری اور مسلمانوں کے حلیف اس غیر متوقع حملہ سے گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ سارے اسلامی فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ دشمن نے بھاگتے ہوئے مسلمانوں پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ آنحضرتﷺ نے اپنے اردگرد نظر ڈالی تو نہ مکّہ کے نومسلم نظر آئے، نہ مدینہ کے وفاشعار انصار اور نہ پُرانے مہاجر صحابہ۔ اور اگر کوئی نظر آیا تو صرف دشمن ہے جو اُمڈا چلا آتا ہے اور تیروں کی بارش ہے کہ الامان! مگر آپ ایک پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں اور اپنے ایک سہمے ہوئے ساتھی سے فرماتے ہیں کہ ذرا میرے گھوڑے کی لگام مضبوطی سے تھام لو۔ پھر اپنے گھوڑے کو زور کے ساتھ ایڑ لگا کر یہ للکارتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھتے ہیں کہ: انا النّبیُّ لا کذب. انا ابن عبدالمطلب یعنی میں اللہ کا نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں۔

نمعلوم اس آواز میں کیا جادو بھرا تھا کہ جن جن مسلمانوں کے کانوں تک یہ آواز پہنچتی ہے وہ گرتے پڑتے پھر اپنے آقا کے گرد جمع ہوجاتے ہیں اور آن کی آن میں دشمن کی بڑھتی ہوئی صفوں کو بکھیر کر رکھ دیتے ہیں۔ الغرض یہ جنگ ہوئی اور غارِ حرا کے اس خلوت پسند کو مدینہ میں پناہ لئے ابھی نو سال کا عرصہ نہ گزرا تھا کہ نو لاکھ

مربع میل کے رقبہ پر مشتمل عرب کا وسیع ملک تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھا۔

عرب نے خود مسلمانوں کے خلاف تلوار اُٹھائی اور اُس وقت اپنی تلوار واپس نیام میں ڈالی جب یہ سمجھ لیا کہ محمد ﷺ کے پیچھے کسی ایسی طاقتور ہستی کا ہاتھ ہے جس کے سامنے دُنیا کے ساز و سامان ایک پَر پشّہ کی بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ پس بیشک انہوں نے ڈر کر اسلام قبول کیا لیکن تلوار سے نہیں بلکہ خُدا سے ڈر کر۔ اور بیشک انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے بتوں کو توڑا لیکن مسلمانوں کی طاقت کا خوف کھا کر نہیں بلکہ خود اُن بتوں کو ذلیل اور بے بس پا کر۔ چنانچہ فتح مکّہ کے موقعہ پر مکّہ کے بعض رئیس اُن بتوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر اِن بتوں میں کچھ بھی طاقت ہوتی تو آج عرب کی متکبّر گردنیں محمدؐ کے سامنے نہ جھکتیں۔ (تاریخ الخمیس)

الغرض آنحضرت ﷺ کی یہ بے نظیر کامیابی اس بات کا ایک بیّن ثبوت ہے کہ آپکی نصرت میں ایک طاقتور ہستی کام کر رہی تھی اور وہ وہی ہے جسے ہم خدا کہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ (فداہ نفسی) کے خادم اور ظلِ کامل حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کی ذاتِ والا صفات بھی اسی سِلسلہ کی ایک مقدس کڑی ہے۔ ایک گمنام گاؤں کے اندر ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ماں باپ کے سایہ کے نیچے وہ بڑھتا ہے مگر خلوت پسند طبیعت کی وجہ سے اپنے گاؤں کی محدود سوسائٹی سے بھی الگ رہتا ہے۔ باپ اپنی شفقتِ پدری کی وجہ سے اُسے پیغام بھیجتا ہے کہ فلاں اعلیٰ افسر میرے ساتھ خاص دوستی کا تعلّق رکھتا ہے چلو مَیں اُسے کہہ کر تمہارے واسطے معقول ملازمت کا انتظام کرا دیتا ہوں۔ جواب آتا ہے کہ "آپ میرے لئے فکر مند نہ ہوں مَیں نے جہاں نوکر ہونا تھا، ہو چکا ہوں"، یعنی میں خدا کی نوکری سے مشرف ہو چکا ہوں، مجھے دُنیا کی نوکریوں کی ضرورت نہیں۔

حضرت مرزا صاحبؑ نے 1884ء میں مجددیّت کا دعویٰ دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ مگر اس دعویٰ میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو مسلمانوں کو خاص طور پر چونکا دیتی کیونکہ اسلام میں کئی مجدّد ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور عموماً اسلامی دنیا اسلام کی تائید میں آپؑ کی خدمات کی وجہ سے محسوس کرتی تھی کہ اگر آج مسلمانوں کے اندر کوئی شخص اس بات کا اہل ہے کہ مخالفین کے مقابلہ میں عزّت اور کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکے تو وہ صرف آپ ہی ہیں۔ مگر آپؑ کی اسلامی خدمات نے مخالفینِ اسلام یعنی ہندوؤں اور عیسائیوں کے اندر عداوت کی خطرناک آگ مشتعل کر دی تھی۔

پھر ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے خدا تعالیٰ سے حکم پا کر اپنا یہ دعویٰ شائع کیا کہ آخری زمانہ کے متعلق مسیحؑ کے نزول اور مہدی کے ظہور کی جو پیشگوئی تھی اس کا مصداق مَیں ہوں اور حضرت مسیح ناصریؑ فوت ہو چکے ہیں۔ بلکہ آپؑ نے یہ بھی دعویٰ فرمایا کہ مَیں ہی وہ موعود ہوں جس کا جملہ ادیان میں وعدہ دیا گیا تھا اور جس کے ہاتھ پر اسلام کی آخری اور عالمگیر فتح مقدر ہے۔

اس دعویٰ نے جو طوفان بے تمیزی مخالفت کا برپا کیا اور جس طرح تمام مذاہب ایک جان ہو کر آپ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ کیا دوسرے مسلمان اور کیا عیسائی کیا ہندو اور کیا آریہ اور کیا جینی اور کیا سکھ۔ پھر کیا برہمو اور کیا دیو سماجی وغیرہ وغیرہ سب کے سب اپنے پورے زور کے ساتھ ایک اکیلے اور بے سرو سامان شخص کے خلاف میدان میں اُتر آئے۔ اکثر مسلمان علماء نے آپ کو کافر، ملحد ضال، مضل، بلکہ دجّال قرار دیا اور ایک باقاعدہ شرعی فتویٰ کے ذریعہ تمام اسلامی دنیا میں یہ اعلان کر دیا کہ یہ شخص کافر اور دائرہ اسلام سے خارج بلکہ اسلام کا بدترین دشمن ہے اور جو اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھے گا وہ بھی اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ یہ بھی شائع کیا گیا کہ اس شخص کو ہر ممکن طریق سے نقصان پہنچانا نہ صرف جائز بلکہ کارِ ثواب ہے۔ اور بعض نے تو یہاں تک فتویٰ دیا کہ اسلامی شریعت کی رُو سے یہ شخص واجب القتل ہے اور اس کے قتل کرنے والا ثواب کا حقدار ہے۔ اور اس قولی مخالفت کے علاوہ عملی طور پر بھی ہر طریق سے آپ کو ذلیل و رُسوا کرنے کی کوشش کی گئی۔ سلسلہ احمدیہ کی ابتدائی تاریخ ایک دردناک کہانی ہے جس کے مطالعہ سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک اکیلا شخص جس کے پاس بظاہر کوئی جتھہ، مال و دولت اور نام و نمود نہیں۔ صرف ایک رُوحانی جھنڈا ہے جس پر کسی ایک غیر ارضی روشنائی میں لکھے ہوئے یہ الفاظ چمک رہے ہیں کہ: "دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خُدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا"۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم مصنفہ 1884ء)

دشمن کا حملہ خطرناک صورت اختیار کرتا جاتا ہے لیکن منکرین کی افواج کے سپاہی اپنی صفوں کو چھوڑ چھوڑ کر اس جھنڈے کی طرف کھچے چلے آتے ہیں۔ مخالف گروہ ان لوگوں کو ہر ممکن طریق سے تنگ کرتا ہے، تمدنی سزائیں دیتا ہے، اُن کے مال و دولت کو چھین لیتا ہے، ان کے بیوی بچوں کو اُن سے جُدا کر دیتا ہے، ان کو مارتا پیٹتا ہے، قابو پاتا ہے تو قتل کر دینے سے دریغ نہیں کرتا، ان کے مُردوں کو اپنے مقبروں میں دفن کرنے سے روکتا ہے مگر لوگ ہیں کہ بے خود ہو کر کھچے چلے آتے ہیں اور اپنی ظاہری آزادی کے تخت سے اُتر اُتر کر اس بے نام و نمود شخص کی غلامی کا طوق اپنی گردنوں میں پہننے کے واسطے بے چین ہوئے جاتے ہیں۔

کیا یہ کسی انسانی ہاتھ کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسانی ہاتھ کا کام اسباب اور ماحول کا محتاج ہوتا ہے مگر یہاں جتنے بھی اسباب تھے وہ دشمن کے ہاتھ میں تھے اور آپؑ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا۔ مگر جب 1908ء میں آپؑ کو خدا کی طرف سے پیغامِ وصال آیا تو چار لاکھ جاں نثار، وفا شعار خادم آپؑ کے جھنڈے کے نیچے جمع تھا۔ اور اب آپؑ کے نام لیوا اسلام کی تبلیغ کیلئے دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اور خدا کے رستہ میں اپنی بے نظیر قربانیوں سے دنیا کی نظروں کو حیرت میں ڈال رہے ہیں۔ کیا یہ خارق عادت کامیابی بغیر کسی غیبی نصرت و تائید کے ممکن تھی؟ یہ اس بات کا ایک بیّن ثبوت ہے کہ کوئی غیبی طاقت جو دُنیا کی تمام طاقتوں پر غالب اور حکمران ہے آپؑ کی تائید میں کام کر رہی ہے اور اسی کا نام ہم خُدا رکھتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب کبھی بھی کوئی راستباز خدا کی طرف سے حکم پا کر خدا کے نام پر کھڑا ہوا ہے تو اُسے خواہ کیسے بھی حالات پیش آئے ہیں وہ بالآخر غالب اور بامراد ہو کر رہا ہے اور اس کے دشمنوں کو باوجود اپنی گونا گوں طاقت اور بے انداز ساز و سامان کے ہمیشہ ذلّت کا مُنہ دیکھنا پڑا ہے۔ آپؑ کیا خوب فرماتے ہیں:

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اُس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خُدائی یہی تو ہے

شہادتِ صالحین کی دلیل

ہستی باری تعالیٰ کے متعلق ایک عقلی دلیل شہادتِ صالحین سے تعلّق رکھتی ہے۔یعنی بہت سے ایسے لوگ جن کی راست گفتاری مسلّم ہے اور اُن کے صحیح الدماغ ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں اس بات کی ذاتی شہادت پیش کرتے ہیں کہ واقعی ہمارا ایک خُدا ہے جسے ہم نے اُسی طرح دیکھا اور پہچانا ہے جس طرح ہم دوسری غیر مرئی چیزوں کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں۔

حصولِ علم کے ذرائع میں سے شہادت بھی ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ہماری معلومات کا بیشتر حصّہ ایسا ہے جو ہمیں خود براہِ راست حاصل نہیں ہوا بلکہ دوسرے معتبر لوگوں کی روایت یا کُتبِ صحیحہ کے مطالعہ یا اخبارات وغیرہ کے دیکھنے سے حاصل ہوا ہے اور ہمیں خود کبھی بھی اسے اپنے ذاتی مشاہدہ یا تجربہ میں لانے کا موقعہ نہیں ملا۔لیکن ہمیں ان معلومات کے متعلق قریباً قریباً ایسا ہی پختہ یقین ہے جیسا کہ اپنے مشاہدہ یا تجربہ کے ذریعہ حاصل شدہ معلومات کے متعلق ہے۔الغرض شہادت کے اصل کا انکار کرکے ہم کسی علم کے بھی قائل نہیں رہ سکتے۔

اگرچہ بعض اوقات شہادت غلط بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات گواہ دروغگو تو نہیں ہوتا لیکن بوجہ ناقص الفہم ہونے کے اُس کی شہادت قابلِ قبول نہیں رہتی۔ لیکن اس احتمال کی وجہ سے شہادت کا دروازہ حصولِ علم کے واسطے ہرگز بند نہیں کیا جاسکتا۔اگر کسی خراب دوائی کے استعمال سے کسی مریض کو نقصان پہنچ جائے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ دوائی اپنی ذات میں غیر مفید اور ضرر رساں ہے؟ اسی طرح جھوٹے اور ناقص الفہم شاہد کی شہادت سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جاسکتا کہ شہادت کا اُصول ہی باطل ہے۔اس سے تو صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ:''اگر تمہارے پاس کوئی جھوٹا شخص ایک خبر لاتا ہے تو اُسے یُونہی بلا تحقیق نہ مان لیا کرو بلکہ تحقیق کے بعد اگر درست ثابت ہو تو تب مانا کرو'' (الحجرات:7)

مذکورہ بالا اصول کے ماتحت ہم ہستی باری تعالیٰ کے عقیدہ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ عقیدہ دنیا کی مضبوط ترین شہادت سے پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔دُنیا میں جتنے بھی رسول آئے ہیں خواہ وہ کسی ملک یا کسی قوم یا کسی زمانہ میں مبعوث ہوئے ہوں ہمارے سامنے یہ شہادت پیش کرتے ہیں کہ دُنیا کا ایک خُدا ہے جو اس تمام کارخانۂ عالم کا خالق و مالک و متصرف ہے۔اور وہ محض کسی سُنی سُنائی بات کی بنا پر ایسا نہیں کہتے بلکہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اُس خدا کو اُسی طرح پہچانا ہے جس طرح ہم دنیا کی دوسری غیر مادی چیزوں کو پہچانتے ہیں اور اس خدا کے ساتھ ہمارے ذاتی تعلّقات قائم ہیں اور یہ کہ خدا ہم سے کلام کرتا ہے اور ہماری باتوں کو سنتا اور ان کا جواب دیتا ہے اور ضرورت کے وقت ہماری نصرت فرماتا ہے۔

اور یہ دعویٰ وہ لوگ کرتے ہیں جن کی راست گفتاری اور دیانت و امانت دوست و دشمن میں مسلّم ہے۔یعنی دشمن بھی اس بات کو مانتا ہے کہ خواہ ان کا لایا ہوُا مذہب ہم قبول کریں یا نہ کریں لیکن اس میں کلام نہیں کہ یہ سب لوگ اپنی ذات میں راستباز اور صادق القول ہیں۔اور پھر یہ لوگ مجنون یا ناقص الفہم یا مخبوط الحواس بھی نہیں ہیں بلکہ اُن لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں جو دل و دماغ کی اعلیٰ ترین طاقتیں لے کر دُنیا میں آئے تھے۔پس اگر یہ شہادت قابل قبول نہیں تو دنیا میں کوئی شہادت بھی ایسی نہیں ہوسکتی جو قابلِ قبول ہو۔

اور اگر انبیاء اور رُسل کے ساتھ دنیا کی مختلف قوموں کے صلحاء اور اولیاء کو بھی شامل کرلیا جائے تو پھر یہ شہادت ایسی وزن دار ہوجاتی ہے کہ اس کا انکار قریباً قریباً جنون کے حکم میں آجاتا ہے۔ہر اُمّت میں لاکھوں صلحاء اور اولیاء گذرے ہیں جو اپنے اپنے حلقہ میں اپنی بزرگی اور عقل و دانش کی وجہ سے لوگوں کے قلوب پر حکومت کرتے رہے ہیں اور اُن کی راست گفتاری اور امانت و دیانت لوگوں کے واسطے نمونہ رہی ہے۔یہ لوگ بھی اس بات کی شہادت دیتے رہے ہیں کہ دنیا کا ایک خُدا ہے جس کے قبضہ تصّرف کے ماتحت یہ سارا کارخانۂ عالم چل رہا ہے۔اور یہ کوئی سنی سنائی شہادت نہیں بلکہ انبیاء کی طرح ان لوگوں کے ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے۔

اے دوستو! یہ رستہ تمہارے لئے بھی کُھلا ہے کیونکہ جو لوگ خدا تک پہنچنے کے مدعی ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تم اس طریق کو اختیار کرو جو وہ بتاتے ہیں تو تم بھی خدا کے ساتھ تعلّق پیدا کرسکتے ہو۔اور یہ اُن کا خالی دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ بے شمار لوگوں نے ان کی پیروی اختیار کرکے واقعی خدا کا عرفان حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔مگر افسوس کہ دُنیا کے مقاصد کے متعلق تو لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہر مقصد کے حصول کا ایک معیّن طریق ہے جسے اختیار کئے بغیر وہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا اور ہر مقصد کا حصول کچھ وقت بھی چاہتا ہے۔لیکن روحانی مقاصد کے متعلق یہ اُمید رکھتے ہیں کہ وہ صرف خواہش کرنے سے ہی فوراً حاصل ہوجایا کریں۔ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔کیونکہ جتنا اعلیٰ مقصد ہوتا ہے اُتنا ہی اس کے واسطے زیادہ وقت صرف کرنا پڑتا ہے، زیادہ توجہ دینی پڑتی ہے، زیادہ محنت اُٹھانی پڑتی ہے، زیادہ قربانی کرنی پڑتی ہے، زیادہ لمبے ضابطۂ عمل میں سے گزرنا پڑتا ہے، تب جا کر وہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔مگر تم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بغیر کچھ کئے کے یہ اُمید رکھتے ہو کہ اگر کوئی خُدا ہے تو وہ ہمیں مل جائے۔خدا کی قسم تم اس طرح خدا کو کبھی نہیں پاؤ گے۔

ہاں اگر سچی تڑپ اور دلی آرزو اور پوری توجہ اور واجبی محنت کے ساتھ اس طریق کو اختیار کرو جو خدا تک پہنچنے کا طریق ہے اور پھر بھی خدا کو نہ پاؤ تو تب یہ کہنے کا حق رکھو گے کہ ہم نے خدا کو تلاش کیا مگر نہ پایا۔مگر یہ ناممکن ہے کہ تم ٹھیک راستہ پر چل کر خدا کو تلاش کرو اور پھر بھی خدا تمہیں نہ ملے۔کروڑوں انسانوں نے جو تمہاری طرح کے انسان تھے اور تمہاری طرح کا دل و دماغ رکھتے تھے خدا کو تلاش کیا اور آخر اُس کو پالیا اور ان لوگوں کی ذاتی اور عینی شہادت واضح طور پر موجود ہے۔تم میں سے کوئی شخص یہ جرأت نہیں کرسکتا کہ اُن کی شہادت کے متعلق کسی قسم کے شک کا احتمال پیدا کرسکے۔تم اُن کو دھوکہ باز یا ناقص العقل نہیں کہہ سکتے۔تم ان کے متعلق یہ شبہ نہیں کرسکتے کہ انہوں نے باہم مل کر ایک بات بنالی ہے۔پس کوئی وجہ نہیں کہ تم اُن کی شہادت کو محض اپنے دماغ کے فرضی تخیّلات کی بنا پر ردّ کردو۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم ان لوگوں کو دھوکے باز یا ناقص العقل نہیں کہتے بلکہ دھوکہ خوردہ کہتے ہیں اور دھوکہ ہر انسان کو کم و بیش لگ سکتا ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک اس بات کا امکان ہے کہ ایک فہمیدہ آدمی کو بھی کبھی دھوکہ لگ جائے لیکن کسی بات کے امکان ہونے کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ بات عملاً وقوع میں بھی آگئی ہے۔پس جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ یہ سب لوگ اس معاملہ میں واقعی دھوکہ خوردہ تھے اُس وقت تک محض دھوکا لگنے کا امکان بیان کردینے سے مطلب حل نہیں ہوسکتا۔وہ کونسی بات ہے جس میں دھوکے کا امکان نہیں ہے؟ تو کیا اس وجہ سے دنیا کی ساری باتوں کو مشکوک قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس طرح تو توہم پرستی کا ایسا دروازہ کُھل جاتا ہے کہ کوئی بات بھی یقینی نہیں رہتی۔

شہادت دینے والوں نے شہادت واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں دی ہے اور کوئی سُنی سنائی شہادت نہیں دی بلکہ اپنا ذاتی اور عینی مشاہدہ پیش کیا ہے اور یہ شہادت دینے والے سب کے سب راستباز اور صحیح الدماغ انسان ہیں اور پھر تعداد میں بھی وہ کم از کم لاکھوں ہیں اور ہر قوم اور ہر ملک اور ہر زمانہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایسے حالات میں صرف اتنا کہہ دینے سے کہ دھوکہ لگنے کا امکان ہے یہ سمجھ لینا کہ بس یہ شہادت مشکوک ہوگئی ایک مجنونانہ فعل ہے۔

پھر دھوکہ لگنے کے بھی مواقع اور حالات ہوتے ہیں۔ ایک عاقل کے لئے دھوکا لگنے کا امکان صرف اُن صورتوں میں ہوسکتا ہے کہ جہاں رائے اور خیال کا دخل ہو اور دلائل کی بنا پر فیصلہ کرنا ہو۔ مثلاً ایک علمی مسئلہ میں یہ امکان ہے کہ دو شخص دو مختلف خیال رکھتے ہوں اور دونوں صحیح الدماغ بھی ہوں۔ کیونکہ جہاں رائے اور استدلال کا دخل ہے وہاں اس بات کا امکان ہوسکتا ہے کہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے غلطی لگ جائے۔ لیکن جہاں مشاہدہ کا سوال ہے وہاں ایک صحیح الحواس شخص کے واسطے دھوکے کا امکان نہیں رہتا۔ پس انبیاء وصلحاء کی شہادت بھی دھوکا لگنے کے امکان سے بالا تسلیم کرنی پڑتی ہے کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ ہم نے عقلی دلائل سے خدا کی ہستی پر اطلاع پالی ہے۔ بلکہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے واقعی خدا کو پالیا ہے اور اس کے ساتھ ہمارا ذاتی تعلق قائم ہوگیا ہے اور وہ ہم سے کلام کرتا اور ہماری باتوں کو سنتا اور اُن کا جواب دیتا ہے اور ضرورت کے وقت اپنی زبردست طاقتوں کے ساتھ ہماری نصرت فرماتا ہے۔ اور پھر وہ اپنے اس مشاہدہ کو اپنی عمر کے کسی خاص حصہ کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ ساری عمر اسی مشاہدہ میں گزارتے ہیں۔ گویا ان کا یہ مشاہدہ ایک غیر منقطع عرصہ کی صورت میں سالہا سال پر پھیلا ہوا ہے۔ اور اُن کے مشاہدہ کے عملی نتائج بھی دنیا کے سامنے ہیں۔ ایسی صورت میں کوئی عقلمند آدمی ان کے متعلق یہ خیال نہیں کرسکتا کہ انہیں دھوکا لگا ہوگا۔

پھر یہ شہادت کسی ایک فرد کی نہیں ہے، کسی ایک قوم کے لوگوں یا کسی ایک ملک کے باشندوں کی نہیں ہے، اور کسی ایک زمانہ کے لوگوں کی بھی نہیں ہے۔ بلکہ لاکھوں انسانوں کی ہے جو دنیا کے ہر ملک، ہر قوم، ہر ملّت اور ہر زمانہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پس تم کِس کِس کو دھوکا خوردہ قرار دو گے؟۔ قرآن شریف نے بھی اِس شہادت کے اصول کو پیش کیا ہے بلکہ اسی اصل کے ماتحت انبیاء کا ایک نام قرآن شریف میں شاہد رکھا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: ''اے لوگو! ہم نے تمہاری طرف محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تا کہ وہ تمہارے لئے شاہد یعنی گواہ کا کام دیں جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف موسیٰ رسول کو شاہد بنا کر بھیجا تھا''۔ (المزمّل:16)

الغرض رُسل وصالحین کی جماعت کی طرف سے خدا تعالیٰ کی ہستی کی شہادت کی دلیل ایسی زبردست دلیل ہے کہ کوئی سمجھدار شخص اِس کا انکار نہیں کرسکتا۔ باقی حقیقی اطمینان اور عین الیقین تو ذاتی تجربہ اور مشاہدہ سے ہی حاصل ہوسکتا ہے جس کے لئے انبیاء واولیاء کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا اور ان کے رستہ پر گامزن ہونا ضروری ہے۔

(باقی آئندہ)

افریقہ اور امریکہ میں اشاعت اسلام

(حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی 1924ء کی ایک مجلس سوال وجواب سے انتخاب)

ایک شخص نے سوال کیا: مَیں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ افریقہ میں بمقابلہ عیسائیت کے اسلام کیوں سُرعت سے پھیل رہا ہے؟

حضرت صاحب: اصل بات یہ ہے کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ تمام انسان ایک ہی حالت میں ہوں۔ ان کے اندر انقلاب ہوتے رہتے ہیں۔ کسی مذہب کی حقیقی کامیابی کے لئے ایک وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر ہر طبقہ کے لوگوں کی اصلاح کی قوت ہو۔ اس کی تعلیم معقول اور مؤثر ہو اور قابل عمل ہو۔ پھر اس تعلیم کے ثمرات اور نتائج ہمیشہ نظر آسکیں۔ اور یہ اصلاح کسی ایک طبقہ کی نہیں بلکہ ادنیٰ اور اعلیٰ سب کی اصلاح کر سکے اور ہر طبقہ کے لوگوں کو اس سے اوپر لے جا سکے۔ عیسائیت حقیقی اصلاح نہیں کر سکتی اور اس لئے عملاً وہ ناکام ثابت ہو چکی ہے۔ اس میں ایک حصہ پر زور دیا گیا اور دوسری اخلاقی قوتوں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینے کی تعلیم بظاہر بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہے مگر ہر شخص جو عیسائی بھی ہے یہ سمجھتا ہے کہ یہ تعلیم عمل کے قابل نہیں۔ غرض عیسائیت ایسی ناکام ثابت ہوئی ہے کہ جو لوگ قومی حیثیت سے عیسائی ہیں وہ مذہبی طور پر عیسائی نہیں۔ برخلاف اس کے اسلام انسان کی تمام اخلاقی قوتوں کی تربیت کرتا ہے اور اس کی روحانیت کو نشوونما دیتا ہے اور اس تعلیم کے ثمرات موجود ہیں۔ اس کے اصول ایسے سادہ اور فطرت کے مطابق ہیں کہ ہر شخص اگر تعصب نہ کرے ان کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ غرض اسلام اپنی تعلیم کے کمال اور اس کی آسانی اور اس کے مؤثر ہونے کی وجہ سے اور اس لحاظ سے کہ وہ تمام قوتوں کی تربیت کرتا ہے کامیاب ہے اور عیسائیت اس کے مقابلہ میں ناکام ہے۔

....

ایک شخص نے سوال کیا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ امریکہ میں آپ نے مشنری بھیجا ہے اور وہاں جماعت ترقی کر رہی ہے۔ کیا آپ مجھے مطلع کریں گے کہ اب کیا حالت ہے؟

جواب: پچھلے سال وہاں تین سو آدمیوں نے بیعت کی ہے اور اسی طرح رفتار ترقی ہے۔ کل یہاں تین آدمیوں کے خطوط میرے پاس امریکہ سے آئے ہیں۔ امریکہ کے تین مختلف شہروں کے بڑے آدمی ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ اگر مَیں امریکہ جاؤں تو وہ ہر طرح مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ایک خط بوسٹن سے آیا ہے دوسرا نیویارک سے اور تیسرے کا پتہ اس وقت یاد نہیں۔

مگر میں سلسلہ کی اہم مرکزی ضروریات کی وجہ سے نہیں جا سکتا تاہم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ میں لوگوں کو بہت توجہ ہو رہی ہے۔

(بشیر احمد خان رفیق۔ یوکے)

میرے ماموں مجھے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے بورڈنگ میں داخل کروا کے چلے گئے تو یہ زندگی میں ماں باپ ورشتہ داروں سے دوری کا پہلا مرحلہ تھا۔ چند دن تو خوب رویا۔ والدین یاد آتے تھے، گاؤں یاد آتا تھا۔ یہ مشکل بھی آن پڑی کہ میں اردو اور پنجابی سے بالکل نابلد تھا۔ یہ دن بڑی تکلیف اور پریشانی میں گزرے۔ بورڈنگ میں تین چار اَور بھی پٹھان طلباء تھے۔ زیادہ تر وقت ان کے ساتھ گزرتا۔ ساتھ ساتھ زبان بھی سیکھتا اور بالآخر چار پانچ ماہ کی جدوجہد کے بعد اس قابل ہوا کہ اردو میں اپنا مافی الضمیر ادا کرسکوں اور اساتذہ کی بات سمجھ سکوں۔

بورڈنگ میں نہ صرف ہندوستان بلکہ مشرقی افریقہ اور دیگر ممالک کے طلباء بھی رہائش پذیر تھے۔ ہمیں صبح منہ اندھیرے فجر کی نماز کے لئے جگایا جاتا۔ وضو کرنے کے بعد قطاروں میں مسجد لے جایا جاتا وہاں نماز کے بعد درس قرآن وحدیث باقاعدگی سے ہوتا۔ پھر ناشتہ کے بعد سکول جاتے۔ سکول اور بورڈنگ سے باقی نمازوں کے اوقات میں ہمیں قطاروں میں مسجد لے جایا جاتا۔ سکول میں نصاب حکومت کا منظورشدہ پڑھایا جاتا لیکن دینیات کی تعلیم لازمی تھی اور یونیورسٹی میں داخلہ بھجوانے کیلئے دینیات میں کامیابی شرط ہوا کرتی تھی۔

سکول کے اساتذہ ایک عجیب جذبہ سے ہمیں تعلیم دیتے تھے۔ سکول کے اوقات کے بعد اساتذہ شام کو کمزور طلباء کو مفت ٹیوشن فراہم کرتے تھے اور دعاؤں کے ذریعہ طلباء کی مدد اس کے علاوہ تھی۔ ہمارے ایک استاد چوہدری عبدالرحمٰن صاحب ریاضی پڑھاتے تھے۔ آپ کو دعاؤں میں اس قدر شغف تھا کہ جب کلاس میں تشریف لاتے تو سبق شروع کرنے سے پہلے ہم اُن کے ساتھ یہ دعا دہراتے: ربِّ اشرح لی صدری۔ ویسر لی امری۔ **واحلل عقدۃً من لسانی یفقھوا قولی. رب زدنی علما.**

تعلیم الاسلام سکول جب چنیوٹ منتقل ہوگیا تو انتہائی کسمپرسی کی حالت تھی۔ حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ میں دسویں جماعت میں داخل تھا۔ پارٹیشن کے بعد میٹرک کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے دینے والے ہمارے سکول کے چند طلباء پہلی مرتبہ امتحان میں شریک ہو رہے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو پیغام بھجوایا کہ آپؓ کی خواہش ہے کہ اس سال میٹرک کا امتحان دینے والے طلباء فرسٹ ڈویژن میں کامیابی حاصل کریں۔ حضورؓ نے فرمایا میں بھی اس غرض کیلئے دعا کروں گا، آپ بھی طلباء کو محنت کرائیں اور ان سے دعائیں کرائیں۔

حضورؓ کے اس ارشاد کی تعمیل میں اساتذہ نے ہمارے ساتھ دن رات ایک کردیئے۔ سکول کے بعد شام کو مفت ٹیوشن کا سلسلہ بھی زور شور سے جاری ہوا۔ دعاؤں کی طرف خصوصی توجہ کی گئی۔ ہمیں باقاعدگی سے تہجد کیلئے بیدار کیا جاتا تھا اور خوب دعائیں ہوتی تھیں۔ محترم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب ہمیں محنت تو کراتے ہی تھے لیکن اس سال مجسم دُعا بن گئے تھے۔ ہمیں بھی کثرت سے دعاؤں کی طرف توجہ دلاتے اور روزانہ سبق شروع کرنے سے قبل اجتماعی دعا کرواتے تھے۔ مَیں ریاضی میں بہت کمزور تھا اور اُن کو میری بہت فکر تھی۔ مجھ پر خاص توجہ انہوں نے مرکوز کر رکھی تھی۔ جس دن ریاضی کا پرچہ تھا، انہوں نے ہمیں علی الصبح بیدار کیا۔ دعاؤں کے بعد کلاس روم میں بلیک بورڈ پر ریاضی کے چند سوالات لکھے اور فرمایا کہ ان سوالات کو حل کریں تاکہ تمہارے دماغ امتحان کیلئے تیار ہوجائیں۔ ہم نے سوالات حل کرنے کی کوشش کی۔ سوالات مشکل تھے۔ اس لئے چوہدری عبدالرحمٰن صاحب نے ہم سب کے سامنے بلیک بورڈ پر سارے سوالات حل کرکے ہمیں دکھائے۔ یہ سوالات انہوں نے یونہی بلا انتخاب ہمیں بتائے تھے۔

پھر ہم کمرہ امتحان میں پہنچے تو حسب معمول پرچہ حل کرنے سے قبل ہم نے اپنے اپنے ڈیسک پر خاموش دعا کیلئے ہاتھ اٹھادئے۔ دعا کر چکنے کے بعد مَیں نے پرچہ امتحان پر نظر ڈالی تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ تمام سوالات بعینہٖ وہی تھے جو صبح چوہدری عبدالرحمٰن صاحب نے حل کروائے تھے۔ مجھے ان سوالات کے جوابات زبانی یاد ہوچکے تھے۔ مَیں نے تیزی کے ساتھ پرچہ حل کیا اور سب سے پہلے کمرۂ امتحان سے باہر نکل آیا۔ باہر محترم چوہدری صاحب بے چینی کے ساتھ ٹہل رہے تھے۔ مجھے دیکھا تو قدرے فکر کے ساتھ میری طرف دوڑے۔ انہیں خیال گزرا کہ شاید مَیں نے پرچہ پوری طرح حل نہیں کیا اس لئے اتنی جلدی باہر نکل آیا ہوں۔ انہوں نے مجھ سے پرچہ سوالات طلب کیا اور جب دیکھا کہ بعینہٖ وہی صبح والے سوالات تھے تو وہیں زمین پر سربسجود ہوگئے۔ ان کے سفید کپڑے گرد وغبار سے لت پت ہوگئے لیکن وہ اس کی پروا کئے بغیر دیر تک سجدے میں پڑے رہے۔ پھر اٹھ کر مجھے گلے لگایا اور پوچھا کہ جواب تو ٹھیک دے کر آئے ہو نا؟ مَیں نے عرض کیا کہ اپنے خیال میں تو سب جوابات ٹھیک دیئے ہیں۔ انہوں نے یونہی ایک سوال پر انگلی رکھ کر فرمایا کہ اسے میرے سامنے حل کرو۔ میں نے بالکل صحیح حل کیا تو بار بار الحمدللہ الحمدللہ کا وِرد کرنے لگے۔ خیر جب اس سال یونیورسٹی سے امتحان کا نتیجہ نکلا تو تعلیم الاسلام سکول سے شریک ہونے والے تمام میٹرک کے طلباء فرسٹ ڈویژن میں کامیاب تھے۔ اخبار الفضل میں اس کا اعلان ہوا۔ چند دن بعد ہم سب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضورؓ نے ہمیں شاباش دی، بہت ساری دعائیں دیں اور مٹھائی سے ہماری تواضع فرمائی۔

یہ تھے احمدی اساتذہ! ان کا مقصد پیسے کمانا نہیں تھا بلکہ ان کے پیش نظر ایک مشن تھا۔ ان کی تنخواہیں بہت کم تھیں۔ اگر وہ چاہتے تو دوسرے سکولوں میں کہیں زیادہ تنخواہیں اور کہیں بہتر مراعات لے سکتے تھے لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزاء دے اور ان پر اپنے فضلوں کی بارشیں نازل فرمائے۔

قادیان میں میری تعلیم کا سلسلہ جولائی 1947ء تک جاری رہا۔ یہ میری زندگی کا سنہرا دور تھا۔ تعلیم کے علاوہ روحانی ماحول نے میری کایا پلٹ دی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کبار صحابہ کی صحبتیں نصیب ہوئیں۔ ان کی دعاؤں سے وافر حصہ ملا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اکثر بعد از نماز مغرب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مجالس عرفان میں شرکت کی توفیق ملتی رہی۔ یہ مجالس نماز عشاء تک مسجد مبارک میں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ علمی فائدہ کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بابرکت صحبت سے مستفیض ہونے سے دل کو ایک عجیب تقویت نصیب ہوتی تھی۔ غرضیکہ یہ مجالس کونوا مع الصادقین کے قرآنی حکم کا قیمتی موقع فراہم کرتی تھیں۔

تزلزل درایوانِ کسریٰ افتاد

ایک عظیم الشان پیشگوئی کا واقعاتی اور تاریخی ثبوت

(عبدالرحمٰن شاکر)

حضرت سعدی شیرازی کی مشہور کتاب بوستان کے ابتداء میں نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں ایک شعر آتا ہے

چوں صیتش بافواہ دنیا فتاد
تزلزل درایوانِ کسریٰ فتاد

جب آنحضرت ﷺ کی تعریف دنیا میں پھیلی تو کسریٰ کے محل میں زلزلہ آ گیا۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ کسریٰ ایران کے بادشاہ کو کہتے تھے اور تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضور ﷺ کی پیدائش پر کسریٰ کے محل کے چند کنگرے گر گئے تھے۔

اس شعر کا دوسرا مصرع 15 رجنوری 1906ء کو اس زمانہ کے مرسل، امام الزماں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام پر خدا تعالیٰ نے بطور الہام نازل فرمایا۔ (تذکرہ طبع ثانی صفحہ 584)

اس الہام میں اُس زمانہ کی ایرانی حکومت کی ابتر حالت کے متعلق اشارہ ہے۔ اب میں اختصار کے ساتھ اس حکومت کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں جس کے پس منظر میں یہ پیشگوئی نہایت نمایاں نظر آئے گی۔

ایران میں اس وقت قاچار خاندان حکمران تھا۔ قاچار ایران کے چند مشہور اور طاقتور قبائل میں سے ہے۔ اس کا بانی آغا محمد خان تھا۔ اس کے بعد اس کا بھتیجا فتح علی شاہ قاچار بادشاہ ہوا۔ اسی کے زمانہ میں پہلے پہل یورپین اقوام نے ایران میں رسائی حاصل کی۔ ایک امریکن مؤرخ لکھتا ہے:

"Under Fateh Ali Shah, the nephew and successor of Aga Muhammad Khan, the great drama of Iran begins, in the course of which Iran is drawn deeper and deeper into the net of the European powers. At first as a potential instrument and active partner, later merely as a tool and a victive."

("Iran" by William S. Hass. Printed in 1946 in Columbia University Press New York. page 30)

ترجمہ: آغا محمد شاہ کے بھتیجے اور جانشین فتح علی شاہ کے عہد میں ایران کا عظیم ڈراما شروع ہوتا ہے جس کے دوران ایران یورپین طاقتوں کے جال میں گہرے سے گہرا پھنس کر رہ گیا۔ ابتداء میں تو (بظاہر) طاقتور ہتھیار بن کر اور پھر سرگرم حصہ دار بن کر اور درحقیقت محض آلہ کار بن کر۔

1846ء میں فتح علی شاہ فوت ہو گیا تو ناصر الدین شاہ قاچار تخت نشین ہوا۔ اُس وقت اُس کی عمر 16 سال کی تھی۔ اُس نے 1896ء تک حکومت کی مگر اس کا لمبا عہدِ حکومت مصائب کی ایک لمبی داستان ہے۔ اُس وقت تک ایران ایک ایسا ملک تھا جس کی پُرانی اور قابلِ قدر تہذیب ابھی زندہ تھی۔ اس کے عہد میں یورپین اقوام نے اور بھی جال پھیلائے بظاہر تو وہ ایرانیوں کے بھلے کی بات کرتے تھے مگر دراصل ایران کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جا رہا تھا۔ نہایت باریک تدبیروں سے ایران کی جڑیں کھوکھلی کی جا رہی تھیں۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قدیم تہذیب اور حکومت دونوں کی بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں اس کے تخت نشین ہونے کے جلد بعد ہی ایرانیوں نے افغانستان کے شہر ہرات پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا مگر انگریزوں نے فوراً بیچ بچاؤ کر کے ہرات واپس افغانوں کو دلا دیا۔ کیوں؟ اس واسطے کہ افغان اُن کے ممنون ہو کر ہندوستان کی سرحد پر توجہ نہ کر سکیں۔ 1864ء میں ایران میں تار برقی نصب ہوئی اور 1872ء میں بیرن رائٹر کو اجازت مل گئی کہ وہ پہلا بنک ایران میں جاری کرے جو امپیریل بنک آف ایران کہلاتا تھا۔ 1889ء میں دریائے قارون میں جہاز رانی کا ٹھیکہ بھی لے لیا۔

ابتداء میں تو ناصر الدین شاہ بہت بیدار مغز معلوم ہوتا تھا مگر اپنے وزیر مرزا تقی خان کے زیر اثر اُس نے مغربی طور طریقے ملک میں جاری کرنے شروع کر دیئے۔ عوام کی فریاد سننے کے لئے ایک عدالت بھی قائم کی مگر اُسے باقاعدگی سے چلا نہ سکا۔ بادشاہ کے کان میں یہ بات بھی ڈالی گئی کہ وہ یورپین ممالک کی سیاحت کرے۔ کسی ایرانی بادشاہ نے آج تک اپنی مملکت کی سرحد سے باہر قدم نہ نکالا تھا۔ آخر بادشاہ سفر پر روانہ ہوا اور یورپ کے مختلف درباروں میں اس کا نہایت خوشامدانہ استقبال ہوا۔

1873ء میں بادشاہ نے ایک کونسل آف سٹیٹ بنائی مگر کبھی سنجیدگی سے اس کے فیصلوں پر عمل درآمد نہ کرا سکا کیونکہ اس کونسل کی پشت پر کوئی آئینی طریق کار یا قوانین نہ تھے۔ بادشاہ کی مرضی کے مطابق ہی فیصلے ہوتے تھے۔ ایسے حالات میں کوئی شخص ذمہ داری قبول کرنے کو ہرگز تیار نہ تھا۔ بادشاہ یہ بات خوب سمجھتا تھا کہ مغرب کے طریقے جبھی کامیاب ہو سکتے ہیں اگر اُن کو مشرق کی روایات سے پیوند کر دیا جائے اور یہی بات مشکل تھی۔ نیز مغربی حکومتوں کی سی قوّت کہاں سے لاتا؟ آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ مغربی اصلاحات ایرانی مزاجوں کے موافق نہیں ہیں اور بات بھی درست تھی۔ ایران خود بھی کسی تبدیلی کے لئے تیار نہ تھا۔ جب مغربی نمائندوں نے دیکھا کہ بادشاہ ہمارے طور طریقے اپنے ملک میں آزمانا چاہتا ہے تو ہر ملک کے نمائندے اپنے اپنے ملک کیلئے مراعات حاصل کرنے کیلئے آگے بڑھنے لگے اور وزراء کو رشوتیں پیش کرنی شروع کر دیں۔ بادشاہ ان تمام واقعات کو دیکھ کر دل ہی دل میں کُڑھتا تھا مگر کچھ کر نہ سکتا تھا۔ تاہم مغربی ممالک کے خلاف سخت نفرت اور حقارت کے جذبات اُس کے دل میں بھر گئے۔

He found himself more and more involved in adverse circumstances, so fatal that they inevitably overwhelmed his capacities and so he truly became a pathetic figure symbolizing in his person the destiny of his country.

("Iran" by William S. Hass. page 36)

ترجمہ: اس نے اپنے آپ کو نہایت مہلک حالات سے گھرا ہوا پایا جو اس کی طاقتوں سے بہت بالا تھیں۔ اس طرح وہ صحیح طور پر ایک قابلِ رحم ہستی بن کر رہ گیا اور اپنے وجود میں اپنے ملک کی مجسم قسمت بن گیا۔ اس عالم مایوسی میں ایک دن آخر اُس کی زبان سے یہ فقرہ نکل ہی گیا ''میں چاہتا تھا کہ ایک بھی یورپین سرزمین ایران میں قدم نہ رکھتا۔ اس صورت میں ہم ان تمام مصائب سے نجات پا سکتے تھے۔ مگر اب چونکہ انہوں نے یہاں قدم جما لئے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ان کی تمام خوبیوں سے پورا فائدہ اٹھائیں۔''

شاہی خزانہ کی آمد بڑھانے کیلئے بعض اشیاء کے ٹھیکے نیلام کئے جاتے تھے مگر ایسے مواقع پر بھی وزیر لوگ خوب کماتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان ٹھیکوں کا نیلام بادشاہ کے لئے کسی نیک نامی کا باعث نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ 1890ء میں تمبا کو کی فصل کا نیلام سخت تکلیف دہ ثابت ہوا۔ اُس زمانہ میں دستور تھا کہ ایران میں جس قدر تمبا کو کاشت ہوتا وہ بادشاہ کی ذاتی ملکیت تصور ہوتا مگر حکومت نے ایک انگریز کمپنی کو ٹھیکہ دیدیا۔ عوام پہلے ہی نالاں تھے انہوں نے بغاوت کردی۔ مجتہدین نے فتویٰ دیدیا کہ ''قلیاں کشیدن حرام است'' کہ حقّہ پینا حرام ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ بادشاہ سلامت کا حقّہ بھرنے والے ملازمین نے بھی چلم بھر کر دینے سے صاف انکار کردیا۔

ہر طرف بے چینی کے آثار دیکھ کر بادشاہ نے برٹش کمپنی کا ٹھیکہ منسوخ کر دیا مگر بنیا صفت انگریز کو اب چین کہاں؟ جھٹ ایرانی عدالتوں میں بادشاہ پر پانچ لاکھ پاؤنڈ ہرجانہ کا دعویٰ کر دیا اور ججوں کو رشوت وغیرہ دے دلا کر ڈگری لے لی۔ اب بادشاہ حیران کہ اس قدر رقم کہاں سے ادا کرے؟ آخر امپیریل بنک آف ایران سے چھ فی صدی شرح پر سودی روپیہ حاصل کیا اور کمپنی کو ادا کیا۔ 1896ء میں بادشاہ کو قتل کر دیا گیا اور اُس کی جگہ مظفرالدین شاہ نے لے لی۔

نیا بادشاہ مظفرالدین شاہ روس کی طرف زیادہ مائل تھا اُس نے خزانہ خالی دیکھ کر روس سے 6 کروڑ 25 لاکھ روبل (روسی سکہ) قرض لیا۔ دو سال کے بعد ایک کروڑ رُوبل مزید لے لیا۔ روس بھلا کونسا کم ساہوکار تھا اُس نے قرضہ کی ضمانت کے طور پر شمالی ایران کے بہت سے صوبے اپنے نام لکھوا لیئے۔ یہ تمام رقوم بادشاہ کی منظورِ نظر ہستیوں کے اور سفر یورپ کے کام آئیں، ملک کو فائدہ کچھ بھی نہ ہوا۔

1901ء میں تاریخ ایران کا بڑا حادثہ پیش آیا یعنی حکومت نے ایک آسٹریلین نژاد انگریز ولیم ناکس ڈارسی کو پانچ شمالی صوبوں کے علاوہ تمام مملکت میں سے تیل نکالنے کا 60 سالہ پٹہ دیدیا۔ 1909ء میں ڈارسی نے اپنا ٹھیکہ حکومت انگلستان کے نام منتقل کر دیا۔ جس نے لندن میں ایک بہت بڑی کمپنی ''اینگلو پرشین آئل کمپنی'' بنا کر مسجد سلیمان میں کام شروع کر دیا۔ اس کمپنی نے ہر قدم پر حکومتِ ایران کو دھوکا دہی، فریب کاری اور غلط حسابات پیش کر کے انتہائی نقصان پہنچایا۔ قصّہ مختصر کہ آخر کار 1951ء میں ڈاکٹر مصدّق کی حکومت نے انگلستان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تیل کی صنعت کو قومی تحفظ میں لے لیا اور انگریزوں سے ایک طرح نجات پائی۔

جمال الدین افغانی کی تلقین کے زیر اثر ایرانی لوگوں کو یہ شوق ہوا کہ ہم بھی اپنے ملک میں مغربی جمہوریت کی طرز پر اصلاحات جاری کریں۔ چنانچہ بادشاہ سے مطالبہ کیا گیا کہ فوراً پارلیمنٹ (مجلس) بنائی جائے۔ نیز یہ بھی مطالبہ کیا کہ جو وزیر تم کو یورپ کے سیر سپاٹے کے لئے روپیہ فراہم کر کے دیتا ہے اُسے برطرف کر دیا جائے مگر بادشاہ نے مطلق توجہ نہ دی۔

ایرانی تاجروں کا طبقہ بھی بادشاہ کی غیر آئینی حکومت سے سخت نالاں تھا۔ ان کی تمام تجارت برباد ہو چکی تھی۔ سامان باہر سے آتا تو قبائلی لوگ لُوٹ لیتے اور کوئی فریاد سُننے والا نہ تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

ترجمہ: انتظامیہ اس قدر مجبور ہو کر رہ گئی تھی کہ نظم وضبط صرف غیر ملکی فوج اور پولیس کے ذریعہ ہی قائم رکھا جا سکتا تھا۔ طوائف الملو کی کا مقابلہ کرنے کے لئے تاج کی ہستی ہی موجود نہ تھی ("Iran" by William S. Hass-page 39)

بادشاہ کے سرد رویّہ سے تنگ آکر لوگ ایران کی قدیم رسم کے مطابق تہران کے باہر بادشاہ عبدالعظیم کی درگاہ میں ''بست'' یعنی وہاں پناہ لے کر بیٹھ گئے کہ ہماری بات بادشاہ مانے گا تو گھروں کو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ تجارتی کاروبار بالکل بند ہو گیا۔ لوگوں کو ضروریاتِ زندگی میّسر نہ آتی تھیں۔ تب بادشاہ نے اپنے ایک معتمد کو بھجوایا کہ تم گھروں کو جاؤ ہم انصاف کریں گے اور شکایات دُور ہو جائیں گی مگر بقول آغا حشؔر کاشمیری بادشاہوں کے وعدے تو ''ریت کی دیوار پر بنیاد ہے ہر بات کی'' طرح ہوتے ہیں۔ اُدھر اتفاق سے 1906ء میں بادشاہ فالج سے سخت لاچار ہو گیا۔ لوگوں نے پھر مطالبہ کیا کہ وہ آپ کے وعدے کہاں گئے؟ اور پھر ایک دفعہ ''بست'' اختیار کی گئی۔ اس دفعہ کہاں؟ انگریزی سفارت خانہ میں۔ بادشاہ کی گرتی ہوئی صحت دیکھ کر انگریزوں نے لوگوں کو پھر اُکسایا کہ اب موقعہ ہے مطالبہ تیز کر دو۔ ورنہ کیا ایرانیوں کو برٹش سفارت خانہ کے سوا کسی اور جگہ بست کیلئے جگہ نہ مل سکتی تھی؟

بادشاہ نے وفات سے قبل ایران کی پہلی مجلس (پارلیمنٹ) بلوا ہی لی۔

اس کا جانشین محمد علی شاہ قاچار سخت نالائق انسان تھا۔ وہ بادشاہ کم اور گھسیارا زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ بدقماش حاشیہ نشین فراہم کر لئے۔ دو تین دفعہ کوشش کی کہ ملکی آئین کو توڑ کر پھر سے شخصی حکومت قائم کر لے۔ پہلے 1907ء میں اور پھر 1908ء میں جب زارِ روس نکولس ثانی نے اسے ترغیب دی کہ تم مجلس اور رعایا کو سختی سے کیوں نہیں دباتے۔ بادشاہ نے اس تجویز کے مطابق اپنی فوج جمع کی مگر عوام بیدار ہو چکے تھے ڈٹ کر مقابلہ ہوا اور ایران کے مشہور طاقتور بختیاری قبیلہ کی مدد سے بادشاہ کو شکست دی۔ بادشاہ نے مغلوب ہو کر 15 نومبر 1909ء کو تخت سے دستبرداری لکھ دی اور روس کے سفارت خانہ میں جا کر پناہ لے لی۔

امراء سلطنت نے اُس کے 21 سالہ بچے شاہ احمد شاہ قاچار کو تخت پر بٹھا دیا۔ مگر ایک بچہ اس بگڑی ہوئی حالت کو کیسے سنبھال سکتا تھا؟ روسی امداد سے 1911ء میں محمد علی شاہ نے ایک دفعہ پھر تاج وتخت واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ایک تو احمد شاہ بچہ ہی تھا دوسرے مصاحب سخت خراب مل گئے۔ اُس نوجوان کو عیاشی کا راستہ دکھانے لگے۔ چنانچہ اس کی صحت بگڑ گئی اور وہ اکتوبر 1923ء سے مستقل طور پر پیرس میں جا کر بیٹھ گیا۔ احمد شاہ کے متعلق 1925ء کے اخبارات میں لکھا تھا کہ پیرس کی گلیوں میں خجل خوار اور گدھے سوار ہو کر مرا۔ کوئی اُس پر آنسو بہانے والا بھی نہ تھا۔ بھلے وقت کے تمام حواری بھاگ گئے۔ احمد شاہ کے متعلق لکھا ہے کہ:

Ahmad Shah practically ruled over ruines and being infirm in health disinterested in a task which exceeded his powers.

(world History by Hayes Moon and Wayward MacMillan co. London)

ترجمہ: احمد شاہ عملاً کھنڈروں پر حکومت کرتا تھا اور چونکہ کمزور صحت کا تھا وہ جلد ہی اپنے فرض سے اُکتا گیا جو اس کی طاقت سے کہیں بڑھ کر تھا۔

ناظرین کو خوب اندازہ ہو گیا ہو گا کہ حضرت امام الزماں کو خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں جو خبر دی تھی وہ کس شان سے پوری ہوئی وھوالمراد:

قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ المصلح الموعود پر اعتراضات کے جوابات

(قمر داؤد کھوکھر۔ آسٹریلیا)

ایک بنیادی اعتراض کے جوابات

بعض ویب سائٹس پر کئے جانے والے ایک اعتراض کا براہ راست تعلق اگرچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے تاہم اس اعتراض کا ہدف دراصل خلافت احمدیہ حقہ ہے۔ چنانچہ مجدّدیت کے حوالہ سے شدّ ومد سے کئے جانے والے اس اعتراض کا ایک اہم نکتہ یہی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد کسی نئے مجدّد کی ضرورت نہیں ہے؟ یا یہ کہ آپؑ کے بعد مجدّد کون ہے؟

اس اعتراض کے کئی جواب دیئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً:

جواب 1۔تجدید کی ضرورت کا قانون

ضلالت و گمراہی اور دین میں فروعی اختلافات اور مسائل کے وقت انبیاء ومجدّدین آتے ہیں۔ چودھویں صدی کے آغاز سے پہلے دین اسلام میں بہت سی بدعات، رسومات، توہمات، غلط عقائد اور فاسد خیالات رواج پا چکے تھے۔ عیسائی پادری ومناد دنیا پر غلبہ کی اسکیمیں سوچ رہے تھے اور ان کے ساتھ دوسرے مذاہب بھی اسلام پر پوری طاقت کے ساتھ حملہ آور ہو چکے تھے۔ اس وقت ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وجود کھڑا ہوتا دین اسلام کو حقیقی غلبہ حاصل ہو سکے۔

انبیاء کی بعثت کی غرض تصحیح عقائد، تصحیح اعمال وافعال اور تصحیح اخلاص ہوتی ہے۔ چودھویں صدی کے آغاز پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو بطور مجدّد، مسیح موعود ومہدی معہودؑ اور امتی نبی کے مبعوث فرمایا۔ آپؑ فرماتے ہیں:

’’یہ سلسلہ آسمان سے قائم ہوا ہے تم خدا سے مت لڑو تم اس کو نابود نہیں کر سکتے۔ اس کا ہمیشہ بول بالا ہے۔...... اپنے نفسوں پر ظلم مت کرو اور اس سلسلہ کو بے قدری سے نہ دیکھو جو خدا کی طرف سے تمہاری اصلاح کے لئے پیدا ہوا ہے۔‘‘

(اربعین 4، صفحہ 21، روحانی خزائن جلد 17، صفحہ 456)

ساتویں صدی ہجری کے مجدّد امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ’’اَلتَّوَسُّلُ وَالْوَسِيْلَةُ‘‘ میں حضرت امام مالکؒ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ: لَا يُصْلِحُ آخِرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوَّلُهَا؛ یعنی اس امت کے آخری حصہ کی وہی چیز اصلاح کرے گی جس نے اس کے پہلے حصہ کی اصلاح کی تھی۔ (کتاب الوسیلہ، صفحہ 379) اور دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں: لَا يُصْلِحُ آخِرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهِ أَوَّلُهَا؛ یعنی اس امّت کے آخری حصہ کی اصلاح اسی سے ہوسکتی ہے جس سے امّت کے اول حصہ کی اصلاح ہوئی تھی۔

حضرت امام مالکؒ کے قول کا یہی مطلب ہے کہ امت محمدیہ کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی رسالت ونبوت سے ہوا تھا اور آپ ﷺ کی امت کے آخرین کیلئے بھی اللہ تعالیٰ ایک ایسے وجود کو کھڑا کرے گا جو فنافی الرسولؐ ہو کر مقام نبوت پر فائز ہو کر امت محمدیہ کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دے گا۔ اور جس طرح رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت راشدہ کا قیام عمل میں آیا تھا اسی طرح آخرین کے دَور کے لئے بھی یہ مقدّر تھا کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دوبارہ قیام ہو۔ لہٰذا آج جماعت احمدیہ میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ (خلافتِ راشدہ) کے قیام کے بعد کسی اَور مجدد کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ یہ ضرورت خلفاء کے ذریعہ سے پوری ہو رہی ہے۔

جواب 2: حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخری زمانہ کے مجدّد، مجدّد الف آخر اور امت محمدیہ کے آخری خلیفہ بھی ہیں

نویں صدی ہجری کے مجدّد حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتب میں حدیث مجدّد دین کا تذکرہ فرمایا ہے اور آپ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ ہر صدی کے لئے ایک مجدّد ہوتا ہے جو نبی اکرم ﷺ کے دین کی تجدید کرتا ہے اور اپنے بارہ میں فرمایا تھا کہ مَیں نویں صدی کا مجدّد ہوں اور آخری صدی کے مجدّد کے طور پر اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمائے گا۔ اس کا اظہار اپنے قصیدہ میں یوں فرمایا:

وَ آخِرُ الْمِئِيْنَ فِيْمَا يَاتِيْ
عِيْسٰى نَبِيُّ اللّٰهِ ذُوالْآيَاتِ

ترجمہ: اور آخری صدی میں عیسیٰ نبی اللہ علیہ السلام، اپنے نشانات کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔ (حجج الکرامہ، از نواب صدیق حسن خان، صفحہ 138)

حضرت مسیح موعودؑ نے 1907ء میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ:

’’صلحاء اسلام نے بھی اس زمانہ کو آخری زمانہ قرار دیا ہے اور چودھویں صدی میں سے تیئیس سال گزر گئے ہیں۔ پس یہ قوی دلیل اس بات پر ہے کہ یہی وقت مسیح موعود کے ظہور کا وقت ہے۔ اور میں ہی وہ ایک شخص ہوں جس نے اس صدی کے شروع ہونے سے پہلے دعویٰ کیا۔ اور میں ہی وہ ایک شخص ہوں جس کے دعوے پر پچیس برس گزر گئے اور اب تک زندہ موجود ہوں اور میں ہی وہ ایک ہوں جس نے عیسائیوں اور دوسری قوموں کو خدا کے نشانوں کے ساتھ ملزم کیا۔ پس جب تک میرے اس دعویٰ کے مقابل پر انہیں صفات کے ساتھ کوئی دوسرا مدعی پیش نہ کیا جائے تب تک میرا یہ دعویٰ ثابت ہے کہ وہ مسیح موعود جو آخری زمانہ کا مجدّد ہے وہ میں ہی ہوں۔‘‘ (حقیقۃ الوحی، صفحہ 194 روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 201)

2 نومبر 1904ء کو حضرت مسیح موعودؑ کا ایک لیکچر بعنوان ’اسلام‘ سیالکوٹ شہر میں پڑھا گیا۔ اس لیکچر میں حضورؑ نے فرمایا کہ:

’’ساتواں ہزار ہدایت کا ہے جس میں ہم موجود ہیں۔ چونکہ یہ آخری ہزار ہے اس لئے ضرور تھا کہ امام آخرالزماں اس کے سر پر پیدا ہو۔ اور اس کے بعد کوئی امام نہیں اور نہ کوئی مسیح مگر وہ جو اس کے لئے بطور ظل کے ہو۔ کیونکہ اس ہزار میں اب دنیا کی عمر کا خاتمہ ہے جس پر تمام نبیوں نے شہادت دی ہے اور یہ امام جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدّد صدی بھی ہے اور مجدّد الف آخر بھی۔‘‘

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 208)

حضور علیہ السلام ایک اَور مقام پر فرماتے ہیں: ’’میں دنیا کے سلسلہ کے

خاتمہ پر آیا ہوں۔ چنانچہ چھٹے ہزار کے آخر میں میری پیدائش ہے اور قمری حساب کی رُو سے اب ساتواں ہزار جاتا ہے۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن، جلد: 21 صفحہ: 113)

مزید فرماتے ہیں: ''قرآن شریف اپنے نصوص قطعیہ سے اس بات کو واجب کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر جو موسوی خلیفوں کے خاتم الانبیاء ہیں، اس امت میں سے بھی ایک آخری خلیفہ پیدا ہوگا تا کہ وہ اسی طرح محمدی سلسلہ خلافت کا خاتم الاولیاء ہو۔ اور مجددانہ حیثیت اور لوازم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مانند ہو اور اسی پر سلسلہ خلافت محمدیہ ختم ہو۔ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام پر سلسلہ خلافت موسویہ ختم ہو گیا ہے۔'' (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 182)

پھر فرمایا: ''جبکہ مماثلت کی ضرورت کی وجہ سے واجب تھا کہ اس امت کے خلیفوں کا سلسلہ ایک ایسے خلیفہ پر ختم ہو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل ہو۔'' (ایضاً صفحہ 201)

نیز فرمایا: ''چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ حسب وعدہ؛ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ؛ آخری خلیفہ اس امت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رنگ میں آئے گا'' (ایضاً صفحہ 202)

حضرت مسیح موعودؑ کی ان تحریرات سے یہ ثابت ہے کہ حضورؑ ہی وہ مسیح موعود ہیں جن کو آخری زمانہ کا مجدّد ہونے کا شرف بھی عطا کیا گیا اور مجدّد الف آخر اور امت محمدؐیہ کے آخری خلیفہ بھی آپؑ ہی ہیں جن کے ذریعہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی پیشگوئی بھی پوری ہوئی جس کا سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ اور خلفاء احمدیت تجدید دین کی خدمات سرانجام دیتے رہیں گے۔ انشاءاللہ!

لہٰذا ہر وہ نیا مسئلہ جو آئندہ پیدا ہوگا اس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں اجمالی طور پر یا اصولی طور پر موجود ہے۔ جب آپؑ آخری ہزار سال کے لئے خلیفہ اور مجدّد الفِ آخر ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ نے جو آسمانی علوم، ربّانی انکشافات اور معارف و حقائق اپنی کتب میں تحریر فرما دیئے ہیں اور قرآن کریم کی جو عارفانہ تفسیر بیان کی ہے وہ قیامت تک کیلئے کافی ہے۔ اور آئندہ ایک ہزار سال کیلئے آپؑ کی کتب ہر معاملہ میں لوگوں کی راہنمائی فرماتی رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ؛ وہ فیصلے کو تدبیر کے ساتھ آسمان سے زمین کی طرف اتارتا ہے پھر وہ ایک ایسے دن میں اس کی طرف عروج کرتا ہے جو تمہاری گنتی کے لحاظ سے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ (سورۃ السجدہ: 6)

حضرت مجاہدؒ جو علم تفسیر میں ایک اتھارٹی تسلیم کئے جاتے ہیں انہوں نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات و تدابیر فرشتوں کو القاء کرتا ہے۔ اور یہ اس کے ہاں ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب (انہیں انجام دے کر) فارغ ہو جاتے ہیں آئندہ ہزار سال کے انتظامات القاء فرما دیتا ہے۔ یہ ہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا'' (گلدستہ تفاسیر، جلد 5 صفحہ 444)

''تفسیر مظہری'' میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: ''ایک ہزار تک ہونے والے امور کے فیصلے اللہ ایک وقت میں کر دیتا ہے۔ فرشتہ اس فیصلے کو لے کر اترتا ہے پھر ہزار برس گزرنے کے بعد دوبارہ آنے والے ہزار کے فیصلے حاصل کرنے کے لئے اوپر کو چڑھتا ہے۔'' (تفسیر مظہری، از قاضی محمد ثناء اللہ مجددی پانی پتی، متوفی 1225 ہجری، یہ ہندوستان کے مشہور ولی حضرت مرزا مظہر جان جاناں، متوفی 1195 ہجری، کے خلیفہ تھے۔)

جواب 3: غلبہ اسلام مسیح موعودؑ اور امام مہدی کے ساتھ وابستہ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ؛ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرک کیسا ہی ناپسند کریں۔ (سورۃ التوبہ: 33)۔ یہ آیت دو اَور مقامات پر بھی آتی ہے یعنی سورۃ الفتح آیت 29 اور سورۃ الصّف آیت 10۔ دونوں جگہ کلمات تو ایک ہی ہیں لیکن سورۃ الفتح میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ ''اور گواہ کے طور پر اللہ بہت کافی ہے''۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو گواہ قرار دیا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ یہی اس کی تقدیر ہے کہ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کیا جائے۔ بالفاظ دیگر ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقصد عظیم کو بیان فرمایا گیا ہے یعنی آپؐ کے ذریعہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا۔ یہ غلبہ تین لحاظ سے ہوگا:

اوّل: دلائل کے لحاظ سے: یہ غلبہ اسلام کو قیامت تک حاصل رہے گا کیونکہ کسی مذہب میں یہ طاقت نہیں کہ اسلام کے دلائل کا مقابلہ کر سکے۔

دوم: شان و شوکت کے لحاظ سے غلبہ: یہ غلبہ اسلام کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے زمانے میں حاصل ہو چکا ہے۔

سوم: ان معنوں میں غلبہ کہ پورے عالم سے کفر کا خاتمہ ہو: یہ غلبہ قیامت کے قریب مسیح موعودؑ اور امام مہدیؑ کے زمانے میں ہوگا۔

چنانچہ حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتِ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَ ذِلِّ ذَلِيْلٍ؛ یعنی زمین کی پشت پر کوئی کچا پکا گھر ایسا نہ رہے گا جہاں اللہ دین اسلام کو داخل نہ کر دے۔ خواہ رغبت سے ہو یا لوگ مجبوراً اسلام قبول کریں۔
(تفسیر مظہری از قاضی ثناءاللہؒ مجددی پانی پتی زیر آیت سورہ توبہ: 33)

پس تیسرے معنی غلبہ کے یہی ہیں کہ پورے عالم سے کفر کا خاتمہ۔

یہ کب اور کیسے ہوگا اس کے بارہ میں مفسرین اور علماء اسلام و آئمہ حدیث نے حسب ذیل دو آراء کا ذکر فرمایا ہے:

پہلی رائے: یہ غلبہ قیامت سے پہلے مسیح موعودؑ کے وقت میں ہوگا

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ: ''وَ ذَالِكَ عِنْدَ نُزُوْلِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَام'' کہ یہ وعدہ مسیح موعودؑ کے وقت میں ہوگا۔

امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں: ''حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اس آیت میں وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام دینوں پر اسلام کو غالب کرے گا اور اس وعدہ کی تکمیل مسیح موعودؑ کے وقت میں ہوگی اور سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ مہدی کے وقت میں پورا ہوگا۔ (تفسیر کبیر از امام رازیؒ زیر آیت سورہ توبہ: 33)

تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ: ''حضرت ابو ہریرہؓ اور ضحاکؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ غلبہ نزول عیسیٰؑ کے وقت پورا ہوگا۔ جبکہ سدیؒ کہتے ہیں کہ ظہور مہدی پر یہ وعدہ پورا ہوگا''۔ (تفسیر قرطبیؒ زیر آیت سورہ توبہ: 33)

امام محمود بن عمر الزمخشریؒ (وفات: 825 ہجری) نے اپنی تفسیر ''الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل'' میں زیر تبصرہ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

''تمام دینوں پر اسلام کا غلبہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہوگا اور یہ غلبہ دلائل و براہین اور آیات ربانیہ کے ذریعہ سے ہوگا'' (تفسیر الکشاف، جز ثالث، صفحہ: 428 مطبوعہ مصر)

''تفسیر روح البیان'' از علامہ محمد اسمٰعیل حقی البروسویؒ میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: دین اسلام کا غلبہ تدریجاً ہوگا اور قیامت کے قریب عیسیٰؑ کے نزول کے وقت اس کی تکمیل ہوگی اور اسلام کا غلبہ ہوگا۔

تفسیر مظہری میں ہے: ''بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور ضحاکؒ نے فرمایا ہے کہ یہ بات حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے وقت ہوجائے گی اور تمام مذاہب والے مسلمان ہوجائیں گے۔''

(تفسیر مظہری از قاضی ثناءاللہ مجددی پانی پتی زیرآیت سورہ توبہ: 33)

روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسیح موعودؑ کے وقت میں غلبۂ اسلام کی ان الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی: يُهْلِكُ اللّٰهُ فِيْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ؛ کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعودؑ کے وقت میں اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب کو دلائل کے لحاظ سے مُردہ ثابت فرمائے گا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الملاحم باب 'خروج الدجال')

دوسری رائے: یہ غلبہ امام مہدی کے وقت میں ہوگا

شہید بالاکوٹ حضرت مولوی محمد اسمٰعیلؒ اس آیت کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ''اس آیت سے ظاہر ہے کہ دین کی ابتداء حضرت رسول مقبول ﷺ سے ہوئی لیکن اس کی تکمیل امام مہدی کے ہاتھ پر ہوگی۔'' (منصب امامت، صفحہ: 70)

پھر سورۃ الاعراف کی آیت: 159 کے تحت بھی فرماتے ہیں: ''تمام لوگوں تک آنحضرت ﷺ کی رسالت کی تبلیغ آپؐ کے زمانہ میں نہیں ہوئی۔ بلکہ آہستہ آہستہ خلفاء راشدین اور دیگر آئمہ مہدیین کے ذریعہ بڑھتی رہی ہے۔ اور اس کی تکمیل امام کے ذریعہ ہوگی۔'' (منصب امامت از حضرت مولوی محمد اسمٰعیلؒ، صفحہ 71)

اس بحث کا بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب مسیح و مہدی کے ہاتھ پر یہ غلبہ مقدّر ہے تو حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی صورت میں مسیح و مہدی کا ظہور ہو چکا ہے اور اب اللہ تعالیٰ کی تقدیر خاص سے آپؑ کی جماعت میں آپؑ کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام جاری ہے جو غلبہ اسلام کی مہم کو ترقی دے رہے ہیں اس لئے مسیح موعودؑ سے ہٹ کر کسی اَور مجدّد کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ سورہ توبہ کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یہ آیات قرآنی الہامی پیرایہ میں اس عاجز کے حق میں ہیں اور رسول سے مراد مامور اور فرستادہ ہے۔ جو دین اسلام کی تائید کے لئے ظاہر ہوا۔ اس پیشگوئی کا ماحصل یہ ہے کہ خدا نے جو اس مامور کو مبعوث فرمایا ہے یہ اس لئے فرمایا کہ تا اس کے ہاتھ سے دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ بخشے۔ اور ابتدا میں ضرور ہے کہ اس مامور اور اس کی جماعت پر ظلم ہو لیکن آخر میں فتح ہوگی۔ اور یہ دین اس مامور کے ذریعہ سے تمام ادیان پر غالب آجائے گا۔ اور دوسری تمام ملتیں بیّنہ کے ساتھ ہلاک ہوجائیں گی۔'' (تفسیر مسیح موعودؑ جلد 2 صفحہ 624 بحوالہ سراج منیر، صفحہ 37-36)

حضرت مسیح موعودؑ کی مذکورہ بالا عبارت کے الفاظ ''اور یہ دین اس مامور کے ذریعہ سے تمام ادیان پر غالب آجائے گا'' اس بات کے لئے کافی ثبوت فراہم کر دیتے ہیں کہ آپؑ کی بعثت کے بعد کسی نئے مجدّد کی ضرورت نہیں ہے۔

حضورؑ مزید فرماتے ہیں کہ:

''روحانی طور پر دین اسلام کا غلبہ جو حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ پر موقوف ہے اس عاجز کے ذریعہ سے مقدّر ہے گو اس کی زندگی میں یا بعد وفات ہو۔'' (تفسیر مسیح موعودؑ جلد 4 صفحہ 351 بحوالہ براہین احمدیہ صفحہ 499 حاشیہ در حاشیہ 3)

اسی تعلق میں آپؑ نے یہ اہم نکتہ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ: ''یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت ﷺ پر جو اتمام نعمت اور اکمال دین ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل تکمیل ہدایت، دوسری تکمیل اشاعت ہدایت۔ تکمیل ہدایت من کل الوجوہ آپؐ کی آمد اوّل سے ہوئی اور تکمیل اشاعت ہدایت آپؐ کی آمد ثانی سے ہوئی کیونکہ سورہ جمعہ میں جو آخَرِيْنَ مِنْهُمْ والی آیت آپؐ کے فیض اور تعلیم سے ایک اور قوم کے تیار کرنے کی ہدایت کرتی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی ایک بعثت اَور ہے اور یہ بعثت بروزی رنگ میں ہے جو اس وقت ہو رہی ہے۔ پس یہ وقت تکمیل اشاعت ہدایت کا ہے۔'' (ملفوظات جلد 4 صفحہ 10۔ تفسیر مسیح موعودؑ جلد 4 صفحہ 351 تا 364)

جواب 4: احادیث رسول ﷺ مسیح موعودؑ کے ظہور کے بعد کسی اَور مجدّد کے آنے میں روک ہیں

امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت معاویہؓ بن ابوسفیانؓ سے روایت کیا ہے کہ: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: میری امّت کا ایک گروہ ہمیشہ نظام الٰہی پر قائم رہے گا۔ انہیں رُسوا کرنے والا اور مخالفت کرنے والا کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا حتیٰ کہ امر الٰہی (قیامت) آجائے گا اور وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔''

امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت ثوبانؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امّت کا ایک گروہ حق پر غالب رہے گا۔ انہیں رُسوا کرنے والا کوئی نقصان نہ دے گا۔ حتیٰ کہ قیامت قائم ہوجائے گی۔ اور وہ اللہ کے بندے اسی حالت میں ہوں گے۔''

امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''میری امت میں سے ایک قوم ہمیشہ لوگوں پر غالب رہے گی حتیٰ کہ قیامت قائم ہوجائے گی جبکہ وہ غالب ہوں گے''۔

امام حاکم نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا ایک طائفہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا''۔

امام ابوداؤد اور حاکم نے عمران بن حصینؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر لڑتا رہے گا، وہ اپنے مخالفین پر غالب رہے گا حتیٰ کہ ان کا آخری دستہ مسیح دجال سے لڑے گا''۔ امام حاکمؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

امام مسلمؒ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت کیا ہے کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''میری امت کا ایک گروہ امر الٰہی کے لئے جہاد کرتا رہے گا جو دشمن پر غالب رہے گا۔ انہیں مخالفت کرنے والا کچھ نقصان نہ پہنچائے گا حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔ اور وہ لوگ اسی حالت میں ہوں گے۔''

(مذکورہ بالا تمام احادیث امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر 'درمنثور' میں سورۃ البقرہ: 252: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ کے تحت نقل فرمائی ہیں)۔

خدا کی آخری جماعت

حضرت ثوبانؓ بیان فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ اور آزاد کر دیا ہے۔ ایک وہ جماعت جو پہلی دفعہ ہندوستان سے جہاد کرے گی۔ اور دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ بن مریمؑ کے ساتھ ہوگی۔'' (مسند احمد، سنن نسائی کتاب الجہاد باب غزوۃ الہند)

محدّثین کا ایک اصول ہے کہ جب راویوں کے الفاظ میں اختلاف ہو تو قدر مشترک نکالا جائے گا۔ اسی اصول کے تحت مذکورہ بالا احادیث کا قدر مشترک اور ماحصل یہی ہے کہ جس گروہ یا جماعت کا رسول اللہ ﷺ نے ذکر فرمایا ہے اس سے مراد وہ جماعت ہے جو مسیح موعودؑ اور امام مہدیؑ کے ذریعہ قائم ہونی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا مقابلہ دجّال کے ساتھ مقدّر کیا گیا تھا۔

ان احادیث سے ایک اَور نکتہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ قیامت سے پہلے جس ایک جماعت کے حق پر ہونے اور قیامت تک غالب رہنے کی جو خبر رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی ہے اسی کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوشخبریاں پیشگوئی کے رنگ میں عطا فرمائی ہیں۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"بار بار کے الہامات اور مکاشفات سے جو ہزار ہا تک پہنچ گئے ہیں اور آفتاب کی طرح روشن ہیں خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ میں آخر کار تجھے فتح دوں گا اور ہر ایک الزام سے تیری بریّت ظاہر کر دوں گا اور تجھے غلبہ ہوگا اور تیری جماعت قیامت تک اپنے مخالفوں پر غالب ہوگی۔"

(انوارالاسلام؛ روحانی خزائن، جلد 9 صفحہ 54)

نیز فرمایا:

"اے تمام لوگو! سن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا، وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجت اور برہان کی رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک جو اسکے معدوم کرنے کی فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔" (تذکرۃ الشہادتین، صفحہ 64)

یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ: "تم خدا کی آخری جماعت ہو" (کشتی نوح، صفحہ 23)

پس یہ آخری جماعت وہی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے ہدایت یافتہ فرقہ قرار دیتے ہوئے اس کی یہ علامت بیان فرمائی تھی کہ: مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِی کہ وہ جماعت میرے اور میرے صحابہؓ کے نمونے پر چلنے والی جماعت ہوگی۔

(جامع ترمذی کتاب الایمان، باب افْتِرَاقِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ)

حدیث کا یہ مختصر فقرہ کہ: مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِی؛ بڑا عظیم الشان ہے اس فقرہ میں صحابہؓ کی سنت کو ایک مستقل حیثیت دی گئی ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کا طریق مبارک اللہ تعالیٰ کے طریق سے ہٹا ہوا نہیں ہے اسی طرح صحابہؓ کا طریق اور ان کی سنت بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت سے جدا نہیں ہے۔ اور یہ دونوں نمونے صرف جماعت احمدیہ ہی میں ہیں۔ جو اللہ اور رسول ﷺ کی خاطر صحابہؓ رسول ﷺ کی طرح جان و مال اور عزتوں کی قربانیاں دیتی چلی جا رہی ہے۔ اور صحابہؓ ہی کی طرح ایک امام کے ہاتھ پر اتحاد و وحدت کی لڑی میں پروئی ہوئی ہے۔

اس مضمون کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے آخری زمانہ کے فتنوں کا ذکر فرمایا تو حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے فرمایا تھا کہ: تَلْزِمْ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ اِمَامَهُمْ؛ یعنی تمہیں چاہئے کہ تم مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ مل جاؤ۔

(صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب: 378 بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِی الْاِسْلَامِ حدیث 812)

گویا یہ جماعت وہ گروہ ہے جس کا ایک قابلِ اطاعت امام ہو اور وہ جماعت ایک امام کے ہاتھ پر متحد ہو۔ اس تعلق میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ:

"سوچ کر دیکھو کہ تیرہ سو برس میں ایسا زمانہ منہاج نبوت کا اور کس نے پایا؟ اس زمانہ میں جس میں ہماری جماعت پیدا کی گئی ہے کئی وجوہ سے اس جماعت کو صحابہؓ سے مشابہت ہے۔ وہ معجزات اور نشانوں کو دیکھتے ہیں جیسا کہ صحابہؓ نے دیکھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں اور تازہ بتازہ تائیدات سے نور اور یقین پاتے ہیں جیسا کہ صحابہؓ نے پایا۔ وہ خدا کی راہ میں لوگوں کے ٹھٹھے اور ہنسی اور لعن طعن اور طرح طرح کی دل آزاری اور قطع رحم وغیرہ کا صدمہ اٹھا رہے ہیں جیسا کہ صحابہؓ نے اٹھایا۔ وہ خدا کے کھلے کھلے نشانوں اور آسمانی مددوں اور حکمت کی تعلیم سے پاک زندگی حاصل کرتے جاتے ہیں جیسا کہ صحابہؓ نے حاصل کی۔ بہتیرے ان میں سے ہیں کہ نمازوں میں روتے اور سجدہ گاہوں کو آنسوؤں سے تر کرتے ہیں جیسا کہ صحابہؓ روتے تھے۔ بہتیرے ان میں سے ایسے ہیں جن کو سچی خوابیں آتی ہیں اور الہام الٰہی سے مشرّف ہوتے ہیں جیسا کہ صحابہؓ ہوتے تھے۔ بہتیرے ان میں ایسے ہیں کہ اپنی محنت سے کمائے ہوئے مالوں کو محض خدا تعالیٰ کی مرضات کیلئے ہمارے سلسلہ میں خرچ کرتے ہیں جیسا کہ صحابہؓ خرچ کرتے تھے۔ ان میں ایسے لوگ کئی پاؤ گے کہ جو موت کو یاد رکھتے اور دلوں کے نرم اور سچی تقویٰ پر قدم مار رہے ہیں جیسا کہ صحابہؓ کی سیرت تھی۔ وہ خدا کا گروہ ہے جن کو خدا آپ سنبھال رہا ہے اور دن بدن ان کے دلوں کو پاک کر رہا ہے اور ان کے سینوں کو ایمانی حکمتوں سے بھر رہا ہے۔ اور آسمانی نشانوں سے ان کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے جیسا کہ صحابہؓ کو کھینچتا تھا۔ غرض اس جماعت میں وہ ساری علامتیں پائی جاتی ہیں جو آخَرِیْنَ مِنْهُمْ کے لفظ سے مفہوم ہو رہی ہیں۔ اور ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کا فرمودہ ایک دن پورا ہوتا۔" (ایام الصلح، صفحہ 73، روحانی خزائن، جلد 14 صفحہ 307-306)

لہٰذا حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کے بعد اب کوئی اَور سلسلہ یا جماعت قائم نہیں ہوگی جس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہو۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

"مجھے اس خدائے کریم و عزیز کی قسم ہے جو جھوٹ کا دشمن اور مفتری کا نیست و نابود کرنے والا ہے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اور اس کے بھیجنے سے عین وقت پر آیا ہوں اور اس کے حکم سے کھڑا ہوا ہوں اور وہ میرے ہر قدم میں میرے ساتھ ہے۔ اور وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا۔ اور نہ میری جماعت کو تباہی میں ڈالے گا جب تک وہ اپنا تمام کام پورا نہ کر لے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔" (اربعین: 2 صفحہ: 2)

مزید فرماتے ہیں: "مخالف چاہتے ہیں کہ میں نابود ہو جاؤں اور ان کا کوئی ایسا داؤ چل جائے کہ میرا نام و نشان نہ رہے مگر وہ ان خواہشوں میں نامراد رہیں گے اور نامرادی میں مریں گے اور بہتیرے ان میں سے ہمارے دیکھتے دیکھتے مر گئے اور قبروں میں حسرتیں لے گئے مگر خدا میری تمام مرادیں پوری کرے گا۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ جب میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اس جنگ میں مشغول ہوں تو میں کیوں ضائع ہونے لگا اور کون ہے جو مجھے نقصان پہنچا سکے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ، حصہ پنجم، روحانی خزائن، جلد 21 صفحہ 305)

جواب 5: غلبہ اسلام و احمدیت اور مسیح موعودؑ کے دَور سے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کسی اَور مجدد کے آنے میں روک ہیں

حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت آخری جماعت ہے جس کے ذریعہ غلبۂ اسلام مقدّر کیا جا چکا ہے۔ حضورؑ نے اپنے دَور کی طوالت کا ذکر متعدد بار فرمایا ہے۔

جیسا کہ فرماتے ہیں کہ: ”مسیح موعود کا زمانہ اس حد تک ہے جس حد تک اس کے دیکھنے والے یا دیکھنے والوں کے دیکھنے والے یا پھر دیکھنے والوں کے دیکھنے والے دنیا میں پائے جائیں گے۔ اور اس کی تعلیم پر قائم رہیں گے۔ غرض قرون ثلاثہ کا ہونا برعایت منہاج نبوت ضروری ہے۔“ (تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 478)

نیز فرمایا: ”یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہ اترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اَب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی ان میں سے عیسیٰ بن مریمؑ کو آسمان سے اترتے نہ دیکھے گا۔ اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی۔ اور ان میں سے کوئی بھی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتا نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریمؑ کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گزر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آ گئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰؑ اب تک آسمان سے نہ اترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہ ہوگی کہ عیسیٰؑ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے کیلئے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔“ (تذکرۃ الشہادتین، صفحہ 65)

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے دَور میں غلبہ اسلام واحمدیت کیلئے خود ہی تین صدیاں مقرر فرمائی ہیں۔ اور خلافت کے زیرسایہ جماعت احمدیہ کی روز افزوں ترقی بتا رہی ہے کہ وہ وعدے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ فرمائے تھے اس مدّت میں لازماً پورے ہوں گے۔ لہٰذا اس سے قبل کسی اَور مجدّد کی راہ دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

حضورؑ مزید فرماتے ہیں: ”اور یہ آیت کہ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ، بار بار الہام ہوئی اور اس قدر متواتر ہوئی کہ جس کا شمار خدا ہی کو معلوم ہے۔ اور اس قدر زور سے ہوئی کہ میخ فولادی کی طرح دل کے اندر داخل ہوگئی۔ اس سے یقیناً معلوم ہوا کہ خداوندِ کریم ان سب دوستوں کو جو اس عاجز کے طریق پر قدم ماریں بہت ہی برکتیں دے گا۔ اور ان کو دوسرے طریقوں کے لوگوں پر غلبہ بخشے گا اور یہ غلبہ قیامت تک رہے گا۔ اور اس عاجز کے بعد کوئی مقبول ایسا آنے والا نہیں کہ جو اس طریق کے مخالف قدم مارے۔ اور جو مخالف قدم مارے گا اس کو خدا تباہ کرے گا۔ اور اس کے سلسلہ کو پائیداری نہیں ہوگی۔ یہ خدا کی طرف سے وعدہ ہے جو ہرگز تخلّف نہیں کرے گا۔“ (تذکرہ صفحہ:62)

ایک اَور مقام پر تحریر فرماتے ہیں: ”خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ مَیں آخر کار تجھے فتح دوں گا۔ اور ہر ایک الزام سے تیری بریت ظاہر کر دوں گا اور تجھے غلبہ ہوگا اور تیری جماعت قیامت تک اپنے مخالفوں پر غالب ہوگی اور فرمایا کہ میں زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کروں گا۔ اور یاد رہے کہ یہ الہامات اس واسطے نہیں لکھے گئے کہ ابھی کوئی ان کو قبول کر لے۔ بلکہ اس واسطے کہ ہر یک چیز کے لئے ایک موسم اور وقت ہے۔ پس جب ان الہامات کے ظہور کا وقت آئے گا تو اس وقت یہ تحریر مستعد دلوں کے لئے زیادہ تر ایمان اور تسلی اور یقین کا موجب ہو گی۔“ (انوار الاسلام؛ روحانی خزائن، جلد 9 صفحہ 54)

جواب:6۔خلیفۂ وقت (خلیفہ راشد) مجدد بھی ہوتا ہے

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتب میں خلیفہ اور مجدّد کا لفظ ایک ہی معنوں میں استعمال فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا: ”خلفاء کے آنے کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک لمبا کیا ہے اور اسلام میں یہ ایک شرف اور خصوصیت ہے کہ اس کی تائید اور تجدید کے واسطے ہر صدی پر مجدّد آتے رہے اور آتے رہیں گے۔“ (ملفوظات جلد 10 صفحہ 262)

نیز فرماتے ہیں کہ: ”خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں جو تجدید دین کرے۔ نبیوں کے زمانہ کے بعد جو تاریکی پھیل جاتی ہے اس کو دُور کرنے کے واسطے جو اُن کی جگہ آتے ہیں ان کو خلیفہ کہتے ہیں۔“ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 383)

پھر فرمایا کہ: ”یہ یاد رہے کہ مجدّد لوگ دین میں کچھ کمی بیشی نہیں کرتے ہاں گمشدہ دین کو پھر دلوں میں قائم کرتے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ مجدّدوں پر ایمان لانا کچھ فرض نہیں خدا تعالیٰ کے حکم سے انحراف ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے: وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؛ یعنی بعد اس کے جو خلیفے بھیجے جائیں پھر جو شخص ان کا منکر رہے وہ فاسقوں میں سے ہے۔“ (شہادۃ القرآن، روحانی خزائن، جلد 6 صفحہ 344)

نیز فرمایا: ”خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہو سکتا ہے جو ظلّی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو اس واسطے رسول کریم ﷺ نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کے لفظ کا اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظلّ ہوتا ہے۔“ (شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 353)

دراصل حضرت مسیح موعودؑ نے خلیفہ اور مجدّد کو ایک ہی معنوں میں بیان فرمایا ہے گویا کہ یہ دونوں الفاظ مترادفات و ہم معنی ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے امّت مسلمہ کی خرابی کی اصلاح کے وقت مبعوث ہونے والے ایک وجود کو احادیث میں مسیح ابن مریم فرمایا گیا، مہدی بھی کہا گیا، امام بھی قرار دیا گیا اور حَکم وعدل بھی فرمایا گیا۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ حالانکہ وہ آنے والا وجود ایک ہی تھا۔ لہٰذا حضرت مسیح موعودؑ کی جانشینی میں آپ کے خلفاء، خلیفۂ وقت بھی ہیں اور مجدّدِ وقت بھی۔ ’تفسیر روح لبیان‘ میں (الاعراف:142) لفظ ’اخْلُفْنِي‘ کی تفسیر میں لکھا ہے: ”خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو مستخلف کے جملہ امور کو پورے طور پر ادا کر سکے“۔ ان معنوں کی رُو سے جب حضرت مسیح موعودؑ کا ایک مقام مجدّدیت کا بھی ہے تو لازماً آپؑ کے خلفاء کا بھی وہی مقام ہوگا اور وہ بھی اسی تجدید کے کام کو جاری رکھیں گے جس کا آغاز آپؑ کے ذریعہ ہوا تھا۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کی مثال

حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ اپنی تفسیر درمنثور میں حدیث مجدّدین کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: امام حاکمؒ نے مناقب شافعیؒ میں حضرت امام زہریؒ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: ”جب سو سال کا آغاز تھا تو اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے ذریعہ اس امت پر احسان فرمایا۔“

امام بیہقی نے المدخل میں اور الخطیب نے ابوبکر المروزیؒ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: ”جب مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے جسے مَیں نہیں جانتا تو مَیں امام شافعیؒ کے قول پر بتاتا ہوں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے آغاز پر ایک ایسا شخص مقرر فرماتا ہے جو لوگوں کو سنن سکھاتا ہے اور نبی کریم ﷺ سے جھوٹ کو دور کرتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں سو سال کے آغاز پر عمر بن عبدالعزیزؒ آئے اور دوسو سال کے آغاز پر امام شافعیؒ آئے۔“

مذکورہ بالا دونوں روایات امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر در منثور میں (البقرہ:252) وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ ، کے تحت نقل فرمائی ہیں۔ان سے واضح ہے کہ سلف وخلف اس عقیدہ پر متفق تھے کہ خلیفۂ راشد ہی مجدّ دِ وقت بھی ہوتا ہے۔مزید یہ کہ ہر دو آراء اپنے وقت کے جلیل القدر علماء کی ہیں جن میں ایک امام زہریؒ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن شہاب ہیں جو ایک جلیل القدر تابعی، مدینہ کے عظیم الشان فقیہہ اور محدّ ث ہیں۔اور دوسرے امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزاور حضرت مسیح موعودؑ کا مقام (ایک رؤیا کی روشنی میں)

امام المحد ثین امام ابن قیم الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ: ''فاطمہ بنت عبدالملک زوجہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ ایک رات عمر بن عبدالعزیزؒ نے جاگ کر فرمایا کہ میں نے ایک خوشکن خواب دیکھا ہے۔ میں نے کہا میری جان نثار، سنائیے۔فرمایا: صبح تک بیان نہیں کروں گا۔ پھر صبح صادق کے بعد مسجد میں جا کر نماز پڑھی پھر واپس اپنی جگہ پر تشریف لائے۔میں نے یہ تنہائی غنیمت سمجھی اور خواب سنانے کی بڑے شوق سے گزارش کی۔فرمایا: میں نے دیکھا جیسے کوئی مجھے ایک ہری بھری اور کھلی سرزمین پر لے گیا۔معلوم ہوتا ہے کہ وہاں زمرّ د کا فرش بچھا ہوا ہے۔اتنے میں، میں نے اس میں ایک سفید چاندی جیسا محل دیکھا۔پھر کیا دیکھتا ہوں کہ اس سے ایک آدمی باہر آ کر پکار کر اعلان کرتا ہے کہ: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب اللہ کے رسول محمدﷺ کہاں ہیں؟ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ آپؐ تشریف لاتے ہیں اور اس قصر میں داخل ہو جاتے ہیں۔پھر اس قصر سے دوسرا شخص باہر آ کر پکار کر کہتا ہے کہ: ابوبکرؓ بن ابی قحافہ کہاں ہیں؟ اسی لمحے میں مَیں دیکھتا ہوں کہ ابوبکر صدیقؓ تشریف لاتے ہیں اور اس قصر میں داخل ہو جاتے ہیں۔پھر ایک شخص اور نکل کر اعلان کرتا ہے کہ عمرؓ بن الخطاب کہاں ہیں؟ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ بھی تشریف لاتے ہیں اور اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔پھر ایک اور شخص نکل کر منادی کرتا ہے کہ عثمان بن عفانؓ کہاں ہیں؟ آپ بھی آتے ہیں اور اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔پھر ایک اور شخص نکل کر اعلان کرتا ہے کہ علیؓ بن ابی طالب کہاں ہیں؟ آپ بھی تشریف لاتے ہیں اور اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔پھر ایک شخص نکل کر اعلان کرتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کہاں ہیں؟ آخر مَیں بھی اٹھ کر اس میں داخل ہو جاتا ہوں۔میں آپؐ کے پاس پہنچتا ہوں۔آپؐ کے اصحاب آپؐ کے چاروں طرف ہیں۔میں دل میں سوچ رہا ہوں کہ کہاں بیٹھوں۔آخر اپنے نانا حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔پھر غور سے دیکھتا ہوں تو آپؐ کے دائیں جانب تو حضرت ابوبکرؓ ہیں اور بائیں جانب حضرت عمرؓ ہیں۔مزید غور کرتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ رحمۃ للعالمینﷺ اور ابوبکرؓ کے درمیان ایک اَور صاحب تشریف فرما ہیں۔کہتا ہوں کہ یہ کون ہیں؟ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عیسٰیؑ ہیں۔پھر مجھے نور کے پردے کے پیچھے سے ایک آواز آتی ہے کہ اے عمر بن عبدالعزیز! جس راہ پر تم قائم ہو، اُسے مضبوط پکڑے رہو اور اس پر جمے رہو۔پھر مجھے باہر آنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو میرے پیچھے پیچھے حضرت عثمانؓ یہ فرماتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں: الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی۔اور آپ کے پیچھے حضرت علیؓ یہ فرماتے ہوئے آرہے ہیں: الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف فرمادیا۔

کسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کہا کہ مَیں نے رحمۃ للعالمینﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ کی دائیں طرف حضرت ابوبکرؓ اور بائیں طرف حضرت عمرؓ ہیں اور دو شخص جھگڑتے ہوئے آئے۔آپ ان دونوں کے آگے بیٹھے ہیں۔پھر رحمۃ للعالمینﷺ آپ (عمر بن عبدالعزیزؒ) سے فرماتے ہیں کہ: اے عمر! جب تم عمل کرو تو ان دونوں (ابوبکرؓ وعمرؓ) جیسے عمل کرنا۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس شخص سے قسم کھلوا کر کہا کہ تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ اس نے قسم کھا کر یقین دلایا۔عمر بن عبد العزیزؒ پر گریہ طاری ہو گیا۔'' (کتاب الروح، از امام ابن قیمؒ الجوزی، صفحہ 52-51)

اس سے واضح ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفۂ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ ہجری صدی کے آغاز پر ہونے کی وجہ سے مقام مجدّ دیت پر بھی فائز ہوئے۔اسی طرح خلفاء احمدیت، خلیفۂ وقت بھی ہیں اور اپنے وقت کے مجدّ د بھی ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کی نیابت میں تجدید دین کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔اور جب بھی کوئی نیا مسئلہ پیدا ہوتا ہے تو خلیفۂ وقت کی طرف سے اس کا حل قرآن کریم، احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کی روشنی میں پیش کر دیا جاتا ہے۔

دو ہی راستے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب بھی (جہنم) میں کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو اس کے دربان ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں ہمارے پاس ڈرانے والا ضرور آیا تھا۔پر ہم نے اسے جھٹلا دیا تھا اور کہا تھا کہ اللہ نے کچھ بھی نہیں اتارا، تم ایک کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔اور ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم سننے کی طاقت رکھتے یا عقل رکھتے تو کبھی دوزخی نہ بنتے۔

(سورۃ الملک:9 تا 11)

اس آیت میں دوزخیوں کے دو اقوال بیان ہوئے ہیں۔پہلے تو وہ کہیں گے کہ ہاں ڈرانے والا تو آیا تھا لیکن ہم نے نہ صرف اُس کا انکار کیا بلکہ اس بات کا بھی انکار کر دیا کہ اللہ نے کوئی الہام و وحی نازل نہیں کی۔اور دوسرا جواب جس میں ایک حسرت پائی جاتی ہے یعنی وہ کہیں گے کہ اگر ہم دو صفتوں میں سے کسی ایک صفت کے بھی حامل ہوتے تو ہم جہنم میں نہ جاتے۔اوّل یہ کہ یا تو ہم اہل دین کے پاس جاتے اور ان کی بات سنتے اور اسے مانتے یا دوسرے یہ کہ ہم خود عقل سے کام لے کر تحقیق کرتے۔یہ دونوں باتیں ان میں نہیں تھیں اس لئے جہنم ان کا ٹھکانہ ہوا۔

رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے: اَلَّا سَاَلُوْا اِذَا لَمْ یَعْلَمُوا فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعَیِّ السُّؤَالُ؛ یعنی جو بات معلوم نہ تھی اگر وہ جانتے نہ تھے تو انہوں نے اسے دریافت کیوں نہ کر لیا، پوچھ کیوں نہ لیا کیونکہ نادانی کی بیماری کا علاج سوال ہے۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الطہارت، باب التیمم، حدیث:488)

پس نجات مذکورہ دو طریقوں پر ہی منحصر ہے. فَاعْتَبِرُوْا یااُولِی الْاَبْصَارِ

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے۔کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔'' (کشتی نوح؛صفحہ:77)

کرنل ڈگلس......پیلاطوس ثانی۔

(M.W. Douglas, Lt. Col. C.S.I.C.I.E)

(عبادہ عبداللطیف)

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے انگریزوں، آریوں اور مسلمانوں کی مدد سے ایک سنگین مقدمہ قتل ڈپٹی کمشنر امرتسر مسٹر اے ای مارٹینو کی عدالت میں زیر دفعہ 107 آئی پی سی دائر کیا۔ ڈپٹی کمشنر نے یکم اگست 1897ء کو حضورؑ کے نام وارنٹ گرفتاری جاری کر دیا جس کے ساتھ چالیس ہزار روپیہ کی ضمانت کا حکم اور بیس ہزار کا مچلکہ تھا لیکن الٰہی تقدیر سے یہ وارنٹ راستہ میں ہی گم ہو گیا۔ 7/اگست 1897ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر کو اپنی غلطی کا احساس ہؤا کہ وہ دوسرے ضلع کے کسی باشندہ کے نام وارنٹ جاری کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ چنانچہ عجلت میں اس نے یہ مقدمہ ڈپٹی کمشنر گورداسپور جناب کرنل ڈگلس کی عدالت میں منتقل کر دیا۔کیپٹن مانٹیگو ولیم ڈگلس، اگست 1897ء میں، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور (انڈیا) کے عہدہ پر فائز تھے اور بعد میں ترقی کر کے لیفٹیننٹ کرنل سی ایس آئی۔ سی آئی ای چیف کمشنر جزائر اَنڈمان کے منصب تک پہنچے اور ریٹائر ہو کر واپس اپنے وطن انگلستان روانہ ہوئے۔آپ نے 93 سال کی عمر میں 25/جنوری 1957ء کو وفات پائی۔

کیپٹن ڈگلس نے اپنی خداداد فراست سے بہت جلد بھانپ لیا کہ یہ مقدمہ ٔقتل سخت بدنیتی اور عناد کا شاخسانہ ہے اور 23/اگست 1897ء کو سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو صاف بری قرار دیدیا اور ساتھ ہی فیصلہ میں کہا کہ ''آپ ان عیسائیوں کے برخلاف مقدمہ کر سکتے ہیں''۔حضرت اقدس نے جواباً فرمایا:''عیسائیوں سے ہمارا مقدمہ تو آسمان پر چل رہا ہے،ہمیں آسمانی عدالت کافی ہے۔دنیا کی عدالتوں میں ہم کوئی مقدمہ نہیں چلانا چاہتے''۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی راست گوئی، عظیم شخصیت اور معصومانہ انداز کا ایسا گہرا اثر کرنل ڈگلس پر ہؤا کہ وہ کبھی آپ کو بھلا نہ سکے حتی کہ بعض اوقات اپنی نجی محفلوں میں اس واقعہ کا ذکر کرتے اور کہتے کہ مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ ایک دن مرزا صاحب کو یہ عظمت حاصل ہو جائے گی کہ ان کی جماعت نہ صرف انگلستان میں بلکہ ساری دنیا میں پھیل جائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیپٹن ڈگلس کے عدل وانصاف کا اپنی متعدد تصانیف میں تعریفی رنگ میں ذکر فرمایا ہے اور انہیں پیلاطوس کا خطاب دے کر حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے عہد کے پیلاطوس سے زیادہ بہادر اور نڈر اور زیادہ عدل وانصاف کو قائم کرنے والا قرار دیا ہے۔

1937ء میں حضرت مولانا شیر علی صاحب کی موجودگی میں حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحبؓ نے کرنل ڈگلس کو مسجد فضل لندن میں مدعو کیا اور اس مقدمہ کی رُوداد بیان کرنے کی درخواست کی۔صاحب موصوف نے بتایا کہ:

''ایک صبح ڈاکٹر مارٹن کلارک میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ ایک لڑکا عبدالحمید نامی میرے پاس آیا ہے اور وہ عیسائی ہو گیا ہے۔اس نے مجھے بتایا ہے کہ اسے مرزا غلام احمد آف قادیان نے میرے قتل کیلئے بھجوایا ہے۔اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اُس کے خلاف مقدمہ دائر کروں۔مَیں نے ڈاکٹر کلارک سے کہا کہ یہ یقیناً بہت سنگین معاملہ ہے اس لئے اسے پہلے پولیس کے پاس جانا چاہئے تا وہ عدالت میں پیش کرنے سے قبل ضروری تفتیش مکمل کرے۔لیکن ڈاکٹر کلارک نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ میرے گواہ کو ورغلا لیا جائے گا لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ فی الفور مقدمہ دائر کر دوں۔مَیں نے کہا کہ صرف تمہارے بیان کی روشنی میں میرے لئے ہرگز ممکن نہیں کہ مرزا غلام احمد کو ملزم قرار دے سکوں جب تک کہ میرے سامنے تفتیش موجود نہ ہو چنانچہ مقدمہ کی کارروائی میری عدالت میں 10 اگست 1897ء کو شروع ہوئی جو اس بیان پر مبنی تھی کہ 16 جولائی 1897ء کو ایک 18 سالہ نوجوان، ڈاکٹر کلارک کے پاس امرتسر آیا اور کہا کہ میرا نام عبدالحمید ہے اور وہ عیسائی ہونا چاہتا ہے۔جبکہ وہ پیدائشی طور پر برہمن تھا اور اس کا اصلی نام رلیہ رام تھا۔وہ رام چند آف کھجوری گیٹ بٹالہ کا لڑکا ہے۔جب وہ پندرہ سال کا تھا تو اسے مرزا غلام احمد نے مسلمان بنا لیا۔اور وہ سات سال تک قادیان میں رہا۔ اس کے خیال میں مرزا غلام احمد چونکہ اچھا آدمی نہیں ہے اس لئے اب وہ عیسائی ہونا چاہتا ہے اور یہ کہ مرزا غلام احمد نے لڑکے کو اس لئے بھجوایا ہے کہ مارٹن کلارک کو قتل کر دے۔

اس بیان کے مطابق مَیں نے 10/اگست تا 13/اگست تفتیش کی۔ اس وقت تک عبدالحمید چرچ مشنری سوسائٹی کی کڑی نگرانی میں رہ رہا تھا۔مَیں ذاتی طور پر اُس کی کہانی کو بعید از قیاس سمجھتا تھا کیونکہ اس کا وہ بیان جو مجھے امرتسر کی عدالت سے موصول ہؤا تھا اور جو بیان اب وہ گورداسپور میں دے رہا تھا دونوں ایک دوسرے سے نہ صرف مختلف اور متضاد تھے بلکہ بعد کا بیان بہت سے اضافوں پر مبنی تھا۔چنانچہ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یا تو اسے کچھ آدمیوں کے ذریعہ پڑھایا جا رہا ہے یا وہ بعض باتیں تا حال چھپا رہا ہے۔ چنانچہ مَیں نے انسپکٹر آف پولیس لی مرچینٹ (Le Marchant) سے کہا کہ وہ عبدالحمید کو اپنی تحویل میں لے کر بیان لے۔ چنانچہ لی مرچینٹ اُسے انارکلی بٹالہ لے آیا۔ جب تفتیش شروع کی تو تھوڑی دیر کے بعد ہی لڑکا اُس کے قدموں میں گر پڑا اور اُس نے کہا کہ یہ ساری کہانی اُسے مارٹن کلارک کی ہدایت پر عیسائی مشنریوں نے سکھائی تھی۔انہوں نے مجھے کئی دن قید اور نگرانی میں رکھا۔

اس عرصہ میں عبدالحمید نے عدالت میں اپنا تفصیلی بیان لکھوایا جس میں ذکر تھا کہ 'امرتسر عیسائی مشن' کے کارندوں کے سخت دباؤ کی وجہ سے اس نے اپنے بیان میں مکمل طور پر غلط بیانی سے کام لیا تھا۔

کرنل ڈگلس جب ہندوستان سے واپس انگلستان تشریف لائے تو ایک مدّت تک جماعت سے کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔ 1922ء کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت

مولوی مبارک علی صاحب برطانیہ میں مبلغ انچارج تھے۔ اُن دنوں لندن میں ریٹائرڈ انڈین سول سرونٹس کی ایسوسی ایشن کے اجلاس کبھی کبھار منعقد ہؤا کرتے تھے۔ حضرت مولوی مبارک علی صاحب بھی چونکہ سینئر سروس کے رکن تھے اور آپ ایک ایسی ہی میٹنگ میں شریک تھے جب آپ نے دوسری میز پر دو انگریزوں کو اپنے ماضی کے بارہ میں گفتگو کرتے ہوئے سنا۔ اپنے ساتھی کہ اس سوال پر کہ کوئی واقعہ سنائیں جس کا دل پر دائمی اور گہرا اثر ہؤا ہو، دوسرے انگریز نے بیان کرنا شروع کیا کہ کس طرح عیسائیوں کی طرف سے قادیان کے مرزا غلام احمد کے خلاف ایک مقدمہ قائم کیا گیا اور اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ حضرت مولوی مبارک علی صاحبؓ فوراً سمجھ گئے کہ یہ کرنل ڈگلس ہیں چنانچہ اس اجلاس کے اختتام پر آپ نے اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ آپ حضرت مرزا صاحب کے مرید ہیں اور جماعت احمدیہ کے مشن کی بنیاد انگلستان میں رکھ دی گئی ہے اور آجکل آپ مبلغ انچارج کے عہدہ پر فائز ہیں۔ پھر آپ نے کرنل ڈگلس کا پتہ لیا اور آئندہ ملاقات کا وعدہ کیا۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے 25 سال کے بعد کرنل ڈگلس گویا ازسرِنو دریافت ہوئے اور پھر جماعت کے ساتھ یہ تعلق کم وبیش ان کی وفات تک جاری رہا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جب 1924ء میں ویمبلے کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے تو اس موقع پر بھی کرنل ڈگلس حضورؓ سے شرفِ ملاقات حاصل کرنے کے لئے آئے اور آپ ویمبلے کانفرس کے خصوصی مدعوین میں بھی شامل تھے۔ کرنل ڈگلس کا بعد میں اپنی وفات تک لنڈن مسجد سے تعلق قائم رہا۔ جب بھی انہیں دعوت دی جاتی آپ تشریف لاتے، بعض جلسوں کی صدارت بھی کرتے اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی ایمان افروز یادوں سے محفل گرما دیتے۔ حضرت چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ سے آپ کے قریبی مراسم تھے اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ سے بھی بے تکلّف دوستی تھی۔ جناب کرنل ڈگلس سے متعلق حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کا ایک نوٹ بعنوان ''پیلاطوس ثانی'' ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:

''1939ء میں مَیں نے یوم تبلیغ کی تقریب پر کرنل ڈگلس کو دارالتبلیغ لنڈن میں اجلاس کی صدارت کے لئے مدعو کیا تھا اور مَیں نے اپنی تقریر میں حضرت مسیح موعودؑ کی وہ تحریریں سُنائیں تھیں اور انہوں نے مقدمہ کے واقعات سُنائے تھے۔ چالیس سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود آپ کو واقعاتِ مقدمہ یاد تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شکل کی یاداُن کے دماغ میں تازہ رہتی تھی۔ آپ نے بتایا کہ مَیں نے ایک دفعہ مرزا صاحب کی تصویر کاغذ پر کھینچی اور پھر اس کے بعد مجھے آپ کی فوٹو دیکھنے کا اتفاق ہؤا تو بالکل اپنی کھچی ہوئی تصویر کے مطابق پائی۔ مزید آپ نے فرمایا کہ ڈاکٹر کلارک کی شکل میرے ذہن سے بالکل اُتر گئی ہے۔ اس میٹنگ کی صدارتی تقریر میں انہوں نے جماعت احمدیہ سے متعلق فرمایا: ''مجھ سے بار بار سوال کیا گیا ہے کہ احمدیت کا سب سے بڑا مقصد کیا ہے؟ مَیں اس سوال کا یہی جواب دیتا ہوں کہ اسلام میں روحانیت کی روح پھونکنا اور اسلام کو موجودہ زمانہ کی زندگی کے مطابق پیش کرنا ہے۔ مَیں نے جب 1897ء میں بانیٔ جماعت احمدیہ کے خلاف مقدمہ کی سماعت کی تھی اس وقت جماعت کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن آج دس لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ پچاس سال کے عرصہ میں یہ نہایت شاندار کامیابی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ موجودہ نسل کے نوجوان اس کی طرف زیادہ توجہ دیں گے اور آئندہ پچاس سال کے عرصہ میں جماعت کی تعداد بہت بڑھ جائے گی''۔

(ریویو آف ریلیجنز اردو بابت ماہ ستمبر 1939ء، روحانی خزائن جلد نمبر 13 صفحہ 18 اور 19)

مکرم بشیر احمد رفیق خان صاحب (سابق امام مسجد فضل لندن) اپنی کتاب ''خوشگوار یادیں'' کے مکرم عزیز دین صاحب مرحوم کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ:

''آپ کے کرنل ڈگلس سے بہت قریبی مراسم تھے۔ انہوں نے عزیز صاحب کو سارا واقعہ کئی دفعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرت مرزا صاحب کو میری عدالت میں پیش کیا گیا تو ان پر نظر پڑتے ہی میرے دل میں یہ بات میخ کی طرح گڑ گئی کہ یہ شخص بالکل معصوم ہے۔ لیکن دوسری طرف گواہیاں بہت مضبوط تھیں اور عیسائی، مسلمان و ہندو سب مل کر حضرت مرزا صاحب کو قاتل ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ چند دن مقدمہ کی کارروائی جاری رہی اور میرا تذبذب بڑھتا رہا۔ آخر ایک دن جب مقدمہ ختم ہوا تو میں اپنے گھر کے برآمدہ میں ٹہلنے لگا اور مقدمہ کی کارروائی پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ مرزا صاحب میرے سامنے آن کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں نے آپ کے مطہر چہرہ کی طرف دیکھا تو میرا دل بھی کہنے لگا کہ اچھی طرح دیکھ لو۔ کیا یہ چہرہ کسی قاتل کا ہوسکتا ہے؟ یقیناً نہیں، ہرگز نہیں! مَیں واپس گھر کے اندر چلا گیا اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بلایا کہ یہ شخص گناہ گار ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ تمام گواہیاں اس کے خلاف ہیں۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کہا کہ اس مقدمہ کا مرکزی کردار عبدالحمید ہے جس کے اس بیان پر کہ حضرت مرزا صاحب نے اسے قتل کے لئے بھیجا ہے، سارے مقدمہ کا دارومدار ہے۔ لیکن عبدالحمید پادریوں کے پاس رہتا ہے۔ اگر اسے ان سے الگ کر کے پولیس کی تحویل میں دیا جائے تو شاید وہ سچ بولنے پر آمادہ ہو جائے۔ چنانچہ ڈگلس صاحب نے اگلے دن حکم جاری کر دیا کہ عبدالحمید کو پولیس کی تحویل میں دے دیا جائے۔ پولیس کے پاس آتے ہی عبدالحمید پھٹ پڑا اور روتے روتے کہا کہ مَیں نے تو مرزا صاحب سے کوئی بات نہیں کی۔ یہ سب تو مجھے پادری مارٹن کلارک نے سکھا کر مجھ سے مقدمہ کروایا ہے۔''

کرنل ڈگلس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کو ایک عظیم الشان ریفارمر یعنی مصلح سمجھتے تھے۔ اُن کا ذکر جماعت احمدیہ کی تاریخ میں قیامت تک نہایت احترام سے قائم رہے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کی منصف مزاجی، بیدار مغزی اور حق پسندی کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:

''جب تک دنیا قائم ہے اور جیسے جیسے یہ جماعت لاکھوں کروڑوں افراد تک پہنچے گی ویسی ویسی تعریف کے ساتھ اس نیک نیت حاکم کا تذکرہ رہے گا اور یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کام کے لئے اسی کو چُنا''۔

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد نمبر 19، صفحہ 56)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سب سے بڑے فرزند ارجمند کی سیرۃ وسوانح کے دلکش نقوش

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب

دوسری قسط

(میر انجم پرویز اور فرخ سلطان محمود)

بیعت کے بعد اخلاص

❁ قبول احمدیت سے قبل بھی حضرت صاحبزادہ صاحب حضرت مصلح موعودؓ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ایک بار چند متعصب لوگوں نے آپ کو غصہ دلانے کے لئے بتایا کہ آپ کی زمین کے دو چھوٹے ٹکڑے میاں محمود آپ کی اجازت کے بغیر زیر کاشت لے آئے ہیں تو آپ اُن لوگوں پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: ''فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ میاں محمود میرے بھائی ہیں۔ اگر وہ میرے مکان کی چھت پر بھی ہل چلوا دیں تو بھی میں ان سے اختلاف نہیں کروں گا''۔

❁ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد مخالفین نے یہ کوشش شروع کی کہ کسی طرح صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کو حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ کی اولاد کی مخالفت پر آمادہ کیا جائے۔ اُن دنوں میں آپ نے ایک دوست کے نام خط تحریر کرتے ہوئے اپنے جن جذبات کا اظہار فرمایا وہ آپ کی قلبی کیفیات کے آئینہ دار ہیں۔ آپ کا یہ خط پیسہ اخبار میں بھی شائع ہو گیا تھا۔ آپ نے لکھا کہ:

''......میری رائے میں جو دین یہ سکھاتا ہے کہ باپ کی بے عزتی اور بے وقری کی جائے اور باپ کے پسماندگان کے ساتھ فساد کیا جائے وہ کفر اور ارتداد سے بھی بدتر ہے۔ اگر ایسے شرمناک دین کی وجہ سے بہشت بھی مل سکے تو میری رائے میں وہ دوزخ سے بھی بدتر ہے۔ لعنتی ہے وہ بیٹا اور کم بخت ہے وہ لڑکا جو باپ کی میت کو خراب کرے اور چھوٹے بھائیوں سے ناحق الجھے۔...... قادیان کی جماعت خدا کے فضل و کرم سے بمقابلہ میرے ہزاروں درجہ نیک، متقی، عامل شریعت، شب بیدار اور پرستار خدائے لایزل ہے اور میرے اعمال آپ خوب جانتے ہیں کیا ہیں۔ کیا باوجود ان اعمال کے ایسی جماعت کی مخالفت کر سکتا ہوں۔ لوگ انہیں کافر سمجھیں اور قابلِ دار۔ وہ مجھ سے حد درجہ نیک اور قابل عزت ہیں......''

❁ حضرت صاحبزادہ صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی شان میں ذرا سی گستاخی بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ لاہور میں پنجاب کے سینئر افسران کی دعوت تھی۔ جس میں بشپ آف لاہور نے غالباً اس خیال سے کہ آپ بھی حضورؑ کے مخالفین میں شامل ہیں، حضورؑ کے خلاف زبان درازی کرنی چاہی۔ آپ نے اُنہیں دو ایک بار ایسا کرنے سے روکا لیکن وہ باز نہ آئے۔ جس پر آپ نے کھانے سے بھری ہوئی پلیٹ اُنہیں دے ماری۔

حضرت مسیح موعودؑ اور خلافت سے عقیدت

❁ مکرم علی محمد صاحب افسر مال راولپنڈی لکھتے ہیں کہ سید فقیر افتخار الدین صاحب اور حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے آپس میں نہایت پرانی اور گہری دوستی و یگانگت کے تعلقات تھے۔ میں بھی کسی کسی موقعہ پر جناب سید صاحب کی خدمت میں احمدیت کی صداقت کے متعلق عرض کر دیتا تھا۔ آپ نے ایک دن اس ضمن میں فرمایا کہ مَیں اور مرزا سلطان احمد صاحب اس لئے غیر احمدی نہیں ہیں کہ ہم احمدیت کو حق اور صداقت نہیں سمجھتے۔ بلکہ ہم نہیں چاہتے کہ اس پاک سلسلہ میں ہمارے جیسے آدمی شامل ہو کر اس کی بدنامی کا موجب ہوں۔

❁ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ''سراج منیر'' میں یہ خواب بیان فرمایا ہے کہ:

''پھر ایک آواز دینے والے نے آواز دی کہ ایک شخص جس کا نام سلطان بیگ ہے جان کندن میں ہے۔ میں نے کہا کہ عنقریب وہ مرجائے گا کیونکہ مجھے خواب میں دکھلایا گیا ہے کہ اُس کی موت کے دن صلح ہوگی''۔

یہ پیشگوئی بھی صاحبزادہ صاحب کی بیعت کے بعد اُن کے جلد انتقال سے پوری ہوئی۔ آپ کا نام سلطان تھا اور بیگ کا اشارہ آپ کی مغل ذات ہونے کی طرف تھا۔ پھر صلح کے دن موت سے مراد یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کرنے کے بعد اُسی سال کے اندر آپ کی وفات ہو جائے گی۔ (حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نے 25 دسمبر 1930ء کو حضرت مصلح موعودؓ کی دستی بیعت کی توفیق پائی۔ اور صرف چھ ماہ بعد وفات پا گئے)۔

❁ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صاحبزادہ صاحب کے بارہ میں ایک الہام یہ بھی ہوا تھا کہ: ''پاس ہو جائے گا''۔

خدا کا کلام ذوالوجوہ اور ذوالمعنی ہوا کرتا ہے۔ عمومی تشریح کے علاوہ ایک اور تشریح اس الہام کی یہ ہے کہ آپ انجام بخیر کے ساتھ وفات پا کر بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوں گے۔ اور اس دار الابتلاء کے روحانی امتحان میں بھی پاس ہوں گے۔

❁ ایک روز حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں بیان کیا کہ رات کو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ سلطان احمد آئے ہوئے ہیں۔ حضورؑ نے فرمایا کہ میرے گھر میں بھی ایک ایسی ہی خواب آئی تھی کہ اس کی وہی تعبیر بتلائی جو آپ نے سمجھی یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشان ظاہر ہوگا۔ سلطان سے مراد براہین اور نشان ہوا کرتا ہے۔

❁ حضرت صاحبزادہ صاحب جب میانوالی میں مال افسر تھے تو آپ کے پاس قادیان کے دو احمدی دوست بطور خدمتگار رہتے تھے۔ یہ آپ کو مجبور کرتے تھے کہ بیعت کر لی جائے۔ بعض اوقات صاحبزادہ صاحب اُن کے اصرار پر چڑ بھی جاتے تھے مگر یہ باز نہیں آتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے دوست مجھے بیعت کرنے کے لئے کہتے رہتے تھے مگر میرا ان سب کو یہی

جواب تھا کہ میں حضرت والد صاحب کو خوب جانتا ہوں وہ بے شک اللہ تعالیٰ کے مُرسل ہیں مگر میری حالت ایسی نہیں کہ بیعت کو نبھا سکوں۔

❁ جب حضرت مرزا عزیز احمد صاحبؓ علی گڑھ کالج میں زیرِ تعلیم تھے تو کالج میں طلبہ نے سٹرائیک کی جس میں آپؓ بھی شریک ہوئے۔ چونکہ یہ امر سلسلہ کی تعلیم کے خلاف تھا اس لئے اطلاع ہونے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپؓ کو خارج از بیعت کر دیا۔ اس پر آپؓ نے ایک معافی نامہ حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں ارسال کیا جو دراصل حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر اپنے بیٹے کو دیا تھا اور کہا تھا کہ اس کی نقل کر کے اپنے دستخط کے ساتھ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بھجوا دو۔ چنانچہ آپؓ نے ایسا ہی کیا۔ اس معافی نامہ کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:

''ہم وہ قصور معاف کرتے ہیں۔ آئندہ اب تم پرہیزگار اور سچے مسلمان کی طرح زندگی بسر کرو اور بُری صحبتوں سے پرہیز کرو۔ بُری صحبتوں کا انجام آخر بُرا ہی ہوا کرتا ہے۔''

❁ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی شکل وشباہت بہت کچھ حضرت مسیح موعودؑ کے مشابہ تھی اور کچھ لکھا ہوا پڑھتے وقت گنگنانے کی آواز حضرت مسیح موعودؑ کی آواز سے بالکل ملتی تھی۔ آپ نہایت متواضع اور وسیع الاخلاق انسان تھے۔ قوتِ تحریر اور زورِ قلم آپ نے ورثہ میں پایا تھا۔

❁ حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوا تو میں اپنے پہلے خسر کے گاؤں اعظم آباد میں تھا۔ حضرت والد صاحب کی طرف سے تار ملا مگر مَیں اپنی بیماری یا اپنی بدقسمتی کی وجہ سے وقت پر قادیان نہ پہنچ سکا۔ کچھ عرصہ بعد جب میں قادیان گیا تو آپ مجھے حویلی کے احاطہ میں ملے اور فرمایا کہ ''میرے تو والد فوت ہو گئے تھے، تمہارے تو دادا اور پیر بھی تھے مگر تم وفات کے وقت نہیں آئے تمہیں شرم کرنی چاہئے تھی''۔ آپ نے مجھے اس سے سخت الفاظ پھر کبھی نہ کہے اور نہ کبھی اس واقعہ سے قبل کہے تھے۔

❁ حضرت صاحبزادہ صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ کے بعد آپؓ کے مکان میں رہنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی پیدائش جس کمرہ میں ہوئی وہ بھی آپ کے زیرِ استعمال رہا۔ 1890ء میں حضرت اقدس علیہ السلام کئی ماہ تک شدید بیمار رہے حتیٰ کہ بظاہر زندگی کی امید منقطع ہو گئی۔ مئی میں آپ علاج کے لئے لاہور تشریف لائے اور مرزا سلطان احمد صاحب کے مکان پر ٹھہرے۔

❁ اگرچہ مرزا سلطان احمد صاحب خلافت اولیٰ میں بیعت سے محروم رہے تھے تاہم حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے بلند روحانی مقام سے آپ پوری طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ میری پہلی شادی مکرم مرزا محمد اعظم بیگ صاحب کی دختر سے ہوئی۔ ہم بارات لے کر لاہور گئے۔ میاں صاحب (حضرت مرزا محمود احمد صاحبؓ) بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب ہم دلہن لے کر واپس قادیان پہنچے تو حضرت والد صاحب (صاحبزادہ مرزا سلطان احمد) نے فرمایا کہ دلہن کو پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے پاس سلام اور دعا کے لئے لے جاؤ پھر گھر لانا۔

❁ خلافتِ ثانیہ کا آغاز ہو چکا تھا جب خواجہ کمال الدین صاحب نومبر 1914ء میں لندن سے واپس ہندوستان آئے تو اتفاقاً حضرت مرزا سلطان احمد صاحب سے بھی اُن کی ملاقات ہو گئی۔ خواجہ صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ درحقیقت حضرت مسیح موعودؑ کی جانشینی اور خلافت کے حقدار تو آپ ہیں۔ آپ لاہور چلیں اور خلافت کا اعلان فرمائیں اور ہم سب آپ کی بیعت کریں گے۔

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نے ہنس کر جواب دیا کہ میں تو ابھی احمدی بھی نہیں، میرا خلافت کا کیا حق ہے؟

رئیس پنجاب

تذکرہ رؤسائے پنجاب میں لکھا ہے:

''غلام مرتضیٰ جو ایک لائق حکیم تھا 1876ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا غلام قادر اس کا جانشین ہوا۔ غلام قادر حکام مقامی کی امداد کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا اور اس کے پاس ان افسران کے جن کا انتظامی امور سے تعلق تھا بہت سے سٹوفکیٹ تھے۔ یہ کچھ عرصہ تک گورداسپور میں دفتر ضلع کا سپرنٹنڈنٹ رہا۔ اس کا اکلوتا بیٹا کم سنی میں فوت ہو گیا اور اس نے اپنے بھتیجے سلطان احمد کو متبنّیٰ کر لیا جو غلام قادر کی وفات یعنی 1883ء سے خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا تھا۔ مرزا سلطان احمد نے نائب تحصیلداری سے گورنمنٹ کی ملازمت شروع کی اور اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ تک ترقی پائی۔ یہ قادیان کا نمبردار بھی تھا مگر اس نمبرداری کا کام بجائے اس کے اس کا چچا نظام الدین کرتا تھا جو غلام محی الدین کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔

مرزا سلطان احمد کو خان بہادر کا خطاب اور ضلع منٹگمری میں 5 مربعہ جات اراضی عطا ہوئے اور 1930ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا سب سے بڑا لڑکا مرزا عزیز احمد ایم۔ اے اب خاندان کا سرکردہ اور پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہے۔ خان بہادر مرزا سلطان احمد کا چھوٹا بیٹا رشید احمد ایک اولوالعزم زمیندار ہے اور اس نے سندھ میں اراضی کا بہت بڑا رقبہ لے لیا ہے۔ نظام الدین کا بھائی امام الدین جس کا انتقال 1902ء میں ہوا دہلی کے محاصرہ کے وقت ہاڈسن صاحب کے رسالہ میں رسالدار تھا اور اس کا باپ غلام محی الدین تحصیلدار تھا''۔

سیرت کے چند نمایاں پہلو

❁...... جب حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ نے اپنی ملازمت شروع کی تو حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب نے تین باتیں انہیں بطور نصیحت بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا:

☆ پہلی بات جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ تم کبھی اس کے مرتکب نہ ہو گے یعنی رشوت نہیں لو گے۔

☆ دوسرے اگر کبھی تمہارا کوئی ماتحت کسی سے تھوڑے بہت پیسے لے لے تو اس پر زیادہ سختی نہ کرنا۔

☆ تیسرے اگر کوئی شخص تمہارے پاس آئے تو اسے انتظار نہ کروانا۔

❁......حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب میں دینی غیرت اس قدر تھی کہ ایک دفعہ ایک انگریز افسر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف کوئی بیہودہ گوئی

کی۔حضرت مرزا صاحب نے اسے کہا: دوعورتیں ہیں جن پر الزام تراشی کی جاتی ہے ایک وہ تھی جو کنواری ہوتے ہوئے حاملہ ہوگئی اور ایک شادی شدہ ہو کر بھی حاملہ نہ ہوئی۔اس جواب پر وہ انگریز افسر شرمندہ ہوگیا۔

۞......جولائی 1932ء میں صاحبزادہ صاحب نے اپنی ذاتی لائبریری جماعت کو پیش کر دی جسے صادق لائبریری میں ضم کر کے خلافت لائبریری بنا دیا گیا۔

وراثت میں ملنے والا ذوق شعروسخن

حضرت مسیح موعودؑ بھی اردو، عربی اور فارسی میں نہایت بلند پایہ شعر کہتے تھے، مگر بطور پیشہ یا برائے دل لگی نہیں بلکہ آپؑ نے اپنی صلاحیت کو عشق حقیقی کے اظہار اور پیغام حق کی منادی کا ذریعہ بنایا تھا۔ابتداء میں آپ ''فرخ'' تخلص کرتے تھے پھر اسے چھوڑ دیا۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو حضرت مرزا سلطان احمد صاحب سے حضرت مسیح موعودؑ کی شعروں کی ایک کاپی ملی تھی جو غالباً حضورؑ کی نوجوانی کا کلام ہے۔بطور نمونہ چند شعر درج ذیل ہیں:

عشق کا روگ ہے کیا پوچھتے ہو اس کی دوا

ایسے بیمار کا مرنا ہی دوا ہوتا ہے
کچھ مزا پایا مرے دل! ابھی کچھ پاؤ گے
تم بھی کہتے تھے کہ اُلفت میں مزا ہوتا ہے

....

ہائے کیوں ہجر کے الم میں پڑے
مفت بیٹھے بٹھائے غم میں پڑے
اس کے جانے سے صبر دل سے گیا
ہوش بھی ورطۂ عدم میں پڑے

....

سبب کوئی خداوندا بنا دے
کسی صورت سے وہ صورت دکھا دے
کرم فرما کے آ او میرے جانی
بہت روئے ہیں اب ہم کو ہنسا دے
کبھی نکلے گا آخر تنگ ہو کر
دلا اک بار شور و غل مچا دے

....

نہ سر کی ہوش ہے تم کو نہ پا کی
سمجھ ایسی ہوئی قدرت خدا کی
مرے بت اب سے پردہ میں رہو تم
کہ کافر ہو گئی خلقت خدا کی

....

نہیں منظور تھی گر تم کو اُلفت
تو یہ مجھ کو بھی جتلایا تو ہوتا
مری دل سوزیوں سے بے خبر ہو
مرا کچھ بھید بھی پایا تو ہوتا
دل اپنا اس کو دوں یا ہوش یا جاں
کوئی اک حکم فرمایا تو ہوتا

....

کوئی راضی ہو یا ناراض ہووے
رضامندی خدا کی مدّعا کر

....

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ رقم فرماتے ہیں کہ اس ڈائری میں کئی شعر ناقص ہیں۔یعنی ایک مصرعہ موجود ہے مگر دوسرا نہیں ہے۔بعض اشعار نظر ثانی کیلئے بھی چھوڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور کئی جگہ 'فرخ' تخلص استعمال کیا ہے۔

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے دادا مرزا غلام مرتضیٰ صاحب نے بھی طبیعت رسا پائی تھی۔ فارسی زبان میں نہایت عمدہ شعر کہتے تھے اور ''تحسین'' تخلص کرتے تھے۔حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نے ایک دفعہ ان کا کلام جمع کر کے حافظ عمر دراز صاحب ایڈیٹر پنجابی اخبار کو دیا تھا، مگر وہ فوت ہو گئے اور ان کے ساتھ ہی یہ قیمتی خزانہ بھی معدوم ہوگیا۔

مرزا سلطان احمد صاحب کے تایا مرزا غلام قادر بھی شعر کہتے تھے اور ''مفتون'' تخلص کرتے تھے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کا علمی ذوق

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کو ذوق شعروسخن وراثت میں ملا تھا۔آپ خود بھی شعر کہتے تھے۔آپ کی منظومات وغزلیات پر مشتمل ایک کتاب ''چند نثری نظمیں'' کے عنوان سے شائع شدہ ہے۔علاوہ ازیں آپ اردو و فارسی شاعری کا نہایت گہرا مطالعہ اور انتہائی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔اپنی رواں تحریر میں نہایت عمدہ اشعار اور مصرعوں کا بے ساختہ اور برمحل استعمال کرتے۔آپ کے شعری ذوق کی وسعت وعظمت اور گہرائی کا اندازہ آپ کے ان سینکڑوں مضامین سے بخوبی ہوسکتا ہے جو آپ نے زبان وادب اور شعر کے متعلق تحریر کئے ہیں۔

علاوہ ازیں آپ نے ''فن شاعری'' کے عنوان سے ایک انتہائی شاندار کتاب تحریر کی جس میں فن شعر پر فلسفیانہ تنقید وتبصرہ کیا ہے۔

آپ خود فرماتے ہیں کہ

''اوائل عمر میں مجھے ہمیشہ وہ کتاب اور وہ تصنیف یا تالیف پسند ہوا کرتی تھی جس میں حقیقت الامور پر بحث کی گئی ہو، جو نرا قصہ اور کہانی نہ ہو۔مَیں صوفیانہ رنگ کی تصانیف خواہ کسی مذہب کی ہوں زیادہ پسند کرتا ہوں۔فلسفی رنگ کی کتابوں اور تصانیف سے مجھے شروع سے ایک خاص قسم کا شوق رہا ہے۔دواوین اور اشعار میں سے میں وہ سلسلہ پسند کرتا ہوں کہ جن میں سوز وگداز ہو اور جن میں شاعر نے کوئی حقیقت ظاہر کی ہو، اُن کا ایک مصرع بھی میرے دل پر خاص اثر کرتا اور مجھے ایک خاص حظ بخشتا ہے۔

اسی طرح فلسفی رنگ کی بحثیں اور صوفیانہ رنگ کی تصانیف سے مَیں

ایک خاص خوشی کا احساس کرتا ہوں۔بعض دفعہ مجھے ساری کتاب ناپسند ہوئی، کبھی اس کا ایک جملہ بمقابلہ ساری کتاب کے میرے لئے ایک خوش کن ذخیرہ ثابت ہوا۔

ایک دفعہ مجھے ہندی دوہوں کی ایک کتاب ملی۔ میرے دل پر ان دو ہوں نے اتنا اثر کیا کہ میں کبھی کبھی اکیلا ہو کر انہیں بار بار پڑھتا تھا۔اس وقت میرے دل سے ایک جوش اٹھتا تھا اور میں اپنے دل میں ایک خاص قسم کا سرور محسوس کرتا تھا۔

بعض دفعہ ایک شعر نے وہ حالت کی ہے کہ ہزاروں شعر سے بھی وہ سماں نہیں پیدا ہوا۔ مجھے یہاں تک خبط ہے کہ میں ایسے ہی مضامین یا اشعار، فقرات، جملوں کی تلاش میں صدہا صفحے پڑھ ڈالتا ہوں۔اگر ایک ہزار صفحہ کی کتاب سے ایک فقرہ بھی میرے مذاق کے مطابق آیا تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ کتاب کی قیمت وصول ہوگئی اور میرا وقت رائیگاں نہیں گیا۔بعض دفعہ ایک ہی فقرہ اور ایک ہی بیت نے مجھ پر وہ اثر کیا کہ میں بیٹھے بیٹھے صدہا صفحے لکھ گیا۔نہ ہاتھ روکے سے رکا اور نہ قلم رکتا ہے۔

اگر کوئی شخص بانسری خوش الحانی سے بجا رہا ہو اور اردگرد کوئی شور وشغب نہ ہو تو میرے دل ودماغ میں مضامین جدید کا ایک خاص تموج پیدا ہوتا ہے اور لکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔موسم کی خوشگواری بھی مجھ پر یہی اثر کرتی ہے۔ کبھی کبھی مایوسی اور اداسی کا بھی یہی فوری اثر ہوتا ہے۔ایک دفعہ طبیعت کُند پڑی ہوئی تھی۔بہتیرا چاہا کہ کچھ لکھوں یا لکھ سکوں مگر طبیعت کہنے میں نہ آئی۔دیوان حضرت مینائی اٹھالیا کھولتے ہی اس شعر پر نظر پڑی

ہر جام میں ہے جلوۂ مستانہ کسی کا
میخانہ ہمارا ہے جلوخانہ کسی کا

نہیں معلوم اس بزرگ شاعر کے اس شعر میں کیا کچھ اثر بھرا تھا،طبیعت پڑھتے ہی کھل گئی اور قلم خود بخود عرصہ قرطاس پر چل پڑا۔

یہ کہنا کسی قدر مشکل ہے کہ کونسی کتاب میری تصنیفات میں سے بہترین کے درجہ میں ہے۔فن شاعری پر ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے وہ میری اور چند مبصرین کی رائے میں ایک اچھے پیرایہ میں لکھا گیا ہے۔ایک کتاب 700 صفحہ کی موسوم بہ ''اساس الاخلاق'' ہے۔میری رائے میں اس رنگ میں اردو زبان میں بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں۔اس کتاب میں خاص اصولوں کی پابندی سے اساس الاخلاق پر بحث کی گئی ہے۔میری رائے میں میری پینتالس چھیالیس تصانیف میں سے یہ کتاب بہترین ہوگی اور شاید بعض کی نظروں میں یہی کتاب بہترین میں سے شمار ہو۔''

(باقی آئندہ شمارہ میں)

بات جو منہ سے نکلتی ہے
وہ اثر پیدا کر کے رہتی ہے

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''انبیاء اور ان کے متبعین کو دنیا سے محبت نہیں ہوتی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فتح   کے بعد کی ایک جنگ کے ختم ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال مکّہ والوں میں تقسیم کیا تو ایک نوجوان انصاری نے اعتراض کیا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مال مکّہ والوں کو بانٹ دیا گیا ہے۔اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا۔ مجھے ایک بات پہنچی ہے۔انصار بھی سمجھ گئے۔اور انہوں نے عرض کیا: حضور! وہ ایک نادان نوجوان نے بات کہی ہے ہم اس سے اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمارا اِس سے کوئی واسطہ نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بعض باتیں جب منہ سے نکل جاتی ہیں تو وہ اپنا نتیجہ پیدا کر کے رہتی ہیں۔تم یہ بات دوطرح کہہ سکتے تھے۔یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ جب مکّہ والوں نے خدا کے رسول کو اپنے شہر سے نکال دیا اور اُس کے رہنے کے لئے کوئی جگہ نہ رہی تو ہم نے اسے پناہ دی اور اپنی جانیں اور اموال لُٹا کر اور اپنی گردنیں کٹوا کر اس کی حفاظت کی اور اسے اپنے گھروں میں جگہ دی لیکن جب اموال آئے تو خدا کا رسول ہمیں بُھول گیا اور اس نے مال اپنے مکّہ کے رشتے داروں میں بانٹ دیا اور ہماری کوئی پروانہ کی۔لیکن اگر تم چاہتے تو یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ تمام انبیاء ایک عظیم الشان نعمت کی خبر دیتے چلے آئے تھے، وہ یہ کہتے چلے آئے تھے کہ ایک نبی آئے گا اور وہ نہایت بلند عظمت وشان رکھتا ہوگا۔ اس نبی کو خدا نے مکّہ میں پیدا کیا۔وہ وہاں رہا اور جب خدا تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر مکّہ فتح کیا تو مکّہ والوں نے چاہا کہ اپنے رسول کو اپنے شہر میں لے جائیں لیکن اس وقت خدا تعالیٰ نے مکّہ والوں کو کہا۔تم اونٹ گھوڑے اور دیگر اموال لے جاؤ لیکن مدینہ والے خدا کا رسول اپنے گھروں کو لے جائیں۔یہ سُن کر انصار رو پڑے اور اپنی براءت کرنے لگے۔تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بعض باتیں جب منہ سے نکل جاتی ہیں تو اپنا نتیجہ ضرور دکھایا کرتی ہیں۔اب خدا تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ اے انصار! تم کو ان قربانیوں کے عوض دنیا میں قیامت تک سلطنت نہیں ملے گی۔ہاں ان کا بدلہ حوضِ کوثر پر تم کو دیدیا جائے گا۔

(بخاری کتاب فرض الخمس۔الخ)

چنانچہ دیکھ لو۔اسلام میں مغل، پٹھان حتیٰ کہ حبشی بھی بادشاہ ہوئے اور تین سَو سال تک حبشیوں نے بادشاہت کی۔اور اَور بھی جو قومیں مسلمان ہوئیں اُن کو خدا تعالیٰ نے سلطنت بخشی لیکن انصار 1300 سال سے کسی حصۂ دنیا کے بادشاہ نہیں ہوئے۔غرض بعض انبیاء کو بادشاہ بنایا گیا اور بعض غربت کی حالت میں ہی دنیا سے گزر گئے لیکن جو بادشاہ بنے ان کو بھی دنیا سے محبت نہیں ہوتی بلکہ اگر ان سے خدا تعالیٰ کروڑوں روپیہ کا مطالبہ کرے اور وہ ان کے پاس ہو تو وہ خوشی سے اس کو حاضر کر دیتے ہیں۔